تصوّف

تعریف، تاریخ، اصطلاحات

ڈاکٹر روبینہ ترین

شعبہ اردو

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

بیکن بُکس ○ گلگشت ملتان

تصوّف

تعریف، تاریخ، اصطلاحات

ڈاکٹر روبینہ ترین

شعبہ اردو

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

بیکن بکس ○ گلگشت ملتان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

باراول..............................2001

پریس..........شرجیل پرنٹنگ پریس ملتان

اپنے ہم سفر

ظفر کے نام

جن کے تعاون سے میری
تحقیقی وتنقیدی سرگرمیاں
جاری ہیں۔

ترتیب

صفحہ نمبر

پیش لفظ 7

(الف) تصوف کی اہمیت، وجہ تسمیہ، تصوف کی تعریفات وغیرہ 9

(ب) تصوف کا تاریخی ارتقاء یونانی تصوف، یہودیوں میں تصوف، عیسائیت میں تصوف، چینی تصوف، جاپانی تصوف، ہندی تصوف اور اسلامی تصوف (عہد بہ عہد جائزہ)، تصوف کے سلسلے 22

(ج) اصطلاحات تصوف توکل، فقر، فنا، صبر، معرفت اور ضبط نفس وغیرہ 73

پیش لفظ

ابھی کچھ عرصہ پہلے میری کتاب "ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیاء کرام کا حصہ" شائع ہوئی تو مجھے اُس میں ایک کمی کا احساس ہوا کہ اُس میں تصوف کی مبادیات، بنیادی مسائل، تعریف و توضیح اور تاریخی ارتقاء پر کوئی مواد شامل نہیں ہے اس طرف "بیکن بکس" کے عبدالجبار صاحب نے بطور خاص توجہ دلائی کیونکہ متذکرہ بالا کتاب بہاء الدین زکریا یونیورسٹی نے انہی کے زیر اہتمام شائع کرائی ہے۔ دراصل اس موضوع پر اپنی تحقیق کے دوران اچھا خاصا مواد بھی مجھے حاصل ہو گیا تھا اور نوٹس بھی موجود تھے مگر اُس وقت کتاب کی ضخامت اور بعض دوسری مجبوریوں کی بنا پر اُس کو شامل نہ کیا جا سکا۔ لیکن اب جبار صاحب کے اصرار پر میں نے اُس مواد کو دوبارہ دیکھا ہے اور کچھ ترامیم اور اضافے کے ساتھ اس کو الگ سے ایک کتابچے کی صورت میں چھپوانے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری سمجھا کہ جس طرح حیات صوفیاء پر لکھی گئی کتابوں میں تحقیق اور حوالوں کی شدید کمی ہے اسی طرح خود تصوف کی مبادیات اور ارتقا پر لکھی گئی اکثر کتب بھی مستند حوالوں سے عاری ہیں اور محض سنی سنائی باتوں پر اکتفا کیا گیا ہے اس سلسلے میں سنجیدگی سے کوئی کام نہیں کیا گیا۔

میری یہ کتاب تصوف کے موضوع پر کوئی مبسوط یا ضخیم کتاب نہیں ہے بلکہ مختصر سا کتابچہ ہے لیکن میں نے کوشش کی ہے کہ اختصار اور جامعیت کے ساتھ اُن باتوں کا تذکرہ کیا جائے جو تصوف اور متصوفانہ افکار کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ کوشش بھی کی ہے کہ کوئی بات غیر معتبر اور بے تحقیق نہ کہی جائے۔ اسلئے جگہ جگہ آپ کو مختلف کتابوں کے حوالے ملیں گے۔ اس سلسلے میں اکثر دستیاب کتابوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور ان سب کا نچوڑ اس مقالے میں پیش کر دیا ہے تاکہ ضخیم کتب کا مطالعہ کئے بغیر افکار تصوف کے بارے میں اچھی خاصی تفہیم پیدا کی جا سکے۔ میری یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی ہے اس کا فیصلہ میں نہیں آپ کر سکتے ہیں۔ اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ تصوف کی اہمیت، وجہ تسمیہ اور تعریفات و توجیہات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں نہایت اختصار کے ساتھ تصوف کے بارے میں مختلف افکار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے اب تک بہت سی باتیں کی گئی ہیں لیکن میری یہ کوشش رہی ہے کہ عقلی طور پر قابل فہم باتوں کو آسان انداز میں بیان کر دیا جائے تاکہ ایک عام قاری کے لئے جو تصوف کے افکار میں دلچسپی رکھتا ہے، اس کی تفہیم آسانی سے ہو سکے۔ یہ کوشش بھی شعوری طور پر کی ہے کہ نسبتاً اچھی اور مستند کتابوں سے مواد لیا جا سکے تاکہ بے حقیقت باتیں نہ کی جائیں۔

مقالے کا دوسرا حصہ تصوف کے مختصر تاریخی ارتقاء کو پیش کرتا ہے سب سے پہلے دنیا کے دیگر مذاہب اور اقوام میں تصوف کی روایت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یونانی، یہودی، عیسائی، چینی، ہندی اور جاپانی تہذیبوں میں تصوف کے تاریخی ارتقاء پر نہایت اجمالی نظر ڈالی گئی ہے کیونکہ ہمارا اصل موضوع اسلامی تصوف اور اس کا ارتقاء ہے لیکن یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان تہذیبوں کے تصوف کا خاکہ ضرور سامنے آ جائے۔ اس اجمالی تذکرے کے بعد اسلامی تصوف پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مسلمانوں میں تصوف کی روایت کے عوامل و محرکات، سیاسی اور معاشرتی پس منظر میں اس کے ارتقاء اور مقبولیت کا جائزہ لیتے وقت سہولت کی خاطر ادوار قائم کئے گئے ہیں تاکہ ہر دور کی نمایاں خصوصیات، اہم صوفیا کی تصنیفات اور

ان کے تہذیبی ادبی اور سیاسی و معاشرتی اثرات کا ذکر الگ الگ کیا جا سکے۔

اسلامی تصوف کا ابتدائی دور دوسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کے اہم صوفیا میں حضرت ابو ہاشم عثمان کوفی، حضرت اویس قرنی، حضرت محمد واسع، حضرت حسن بصری، حضرت رابعہ بصری حضرت حبیب عجمی، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض، حضرت ابراہیم ادہم اور حضرت ثفیان ثوری جیسے بزرگ شامل ہیں۔ اسلامی تصوف کا دوسرا دور یونانی فلسفے اور عقلی علوم کے اثرات کا دور ہے جس کے رد عمل کے طور پر صوفیاء نے عشق اور جذبے پر زور دیا۔ تیسرے دور میں فقہ کی ترتیب کا کام ہوا۔ اس دور کے صوفیا نے مذہب کی حقیقی روح کو سامنے لانے کی کوشش کی۔ یہ تین دور دسویں صدی عیسوی تک مکمل ہوئے ہیں۔ گیارہویں صدی تک پہنچتے پہنچتے تصوف کی اصطلاحات وضع ہونے لگیں ادب و شعر میں بھی تصوف کی آمیزش ہونے لگی اور فلسفے کی فکری و اصولی تدوین و ترتیب کا کام ہوا۔ اس دور میں صوفیاء کے مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے گروہ وجود میں آ گئے۔ بارہویں صدی عیسوی میں تصوف کا فلسفہ باقاعدہ طور پر مرتب کیا گیا اور صوفیانہ تعلیم کو مذہبی حکمت، وجدان اور نفسیات کے ساتھ مربوط کیا گیا، تیرہویں صدی عیسوی میں فتنۂ تاتار نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ چنانچہ اس دور زوال میں تصوف نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اس دور میں رومی، سعدی، عراقی اور اوحدی جیسے بلند پایہ صوفی شاعر بھی شامل ہیں۔

ہر دور کے شروع اور آخر میں پورے دور کا اجتماعی پس منظر اور پیش منظر بھی دیا گیا ہے تاکہ مختلف ادوار میں ایک منطقی اور تاریخی ربط نظر آئے اور تسلسل قائم رہے۔ حیات صوفیاء کا انفرادی تجزیہ یقیناً وہ تاثر پیدا نہ کر تا جو ہر دور کے اجتماعی جائزے نے پیدا کیا ہے۔ اس طرح ہر دور کی ہیئت اجتماعی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

مقالے کا تیسرا حصہ تصوف کے سلسلوں اور اصطلاحوں کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہے۔ تصوف کی بے شمار اصطلاحات میں سے چند ایک نہایت اہم اصطلاحوں کا انتخاب کیا گیا ہے اور ان کی وضاحت اس انداز میں کی گئی ہے کہ یہ صفات آج کے انسانوں کے لئے بھی قابل عمل دکھائی دیں کیونکہ اگر تصوف محض ایک نظری فلسفہ بن کر رہ جائے اور عمل میں نہ لایا جا سکے تو پھر اس کی افادیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ تصوف دراصل ہے ہی عمل کا فلسفہ۔ یہ ایک طرز حیات ہے اگر یہ زندگی کا حصہ نہیں تو پھر کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کے ہمارے نودولتیے معاشرے میں جہاں نمود و نمائش، منافقت، بے اصولی و بے انصافی جڑیں پکڑ چکی ہیں۔ تصوف کی اصطلاحات کے عملی پہلوؤں کو عام کرنے کی بے حد ضرورت ہے۔ اسلام پر ایمان رکھنے والے توکل، فقر، صبر، ضبط نفس اور جائز مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد جیسی صفات سے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ یہ صفات حاصل کر کے ہمارے معاشرے کے انسان ایک نیک، فعال اور قابل اعتماد سوسائٹی کو وجود میں لا سکتے ہیں اور کیا موجودہ حالات کے تناظر میں یہ ضروری نہیں؟

آخر میں میں جناب ڈاکٹر اے۔ بی اشرف، جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری، جناب پروفیسر خلیل صدیقی، جناب ڈاکٹر انوار احمد اور جناب ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ کا خصوصی شکریہ ادا کروں گی کہ جو وقتاً فوقتاً مجھے تحقیقی کام کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے ہیں اور انہی لوگوں کی حوصلہ افزائی کی بدولت میں اپنی یہ کاوش پیش کرنے کی جسارت کر رہی ہوں۔

ڈاکٹر روبینہ ترین

تصوف

(۱)

تصوف ۔۔۔ اہمیت، وجہ تسمیہ اور تعریفات

۱۔ تصوف کی اہمیت

انسانی وجود کے ارتقاء، ارتفاع اور بقاء کا دراومدار جسم اور روح کی ہم آہنگی پر ہے یوں بھی ہر چیز کے دورخ ہوتے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، خارج کا تعلق انسان کی ظاہری ساخت اور برتاؤ سے ہوتا ہے جبکہ باطن کا تعلق انسان کے اندر کے ساتھ ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ باہر کے رویوں کا تعین اندر کے محرکات سے ہوتا ہے اور اندر کے رویوں کا تعین خارجی ماحول کے تحت ہوتا ہے۔ ادیان اور مذاہب کی رُو سے بھی ظاہر باطن کی اس تقسیم کو تسلیم کیا جاتا ہے چنانچہ اسلام میں ان دونوں پہلوؤں کو دواصطلاحات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے، ایک شریعت دوسری طریقت ۔۔۔۔ ایک کا تعلق عبادات سے ہے اور دوسری کا تعلق معاملات سے۔ ایک کا تعلق عمل سے ہے دوسری کا سوچنے اور محسوس کرنے سے (۱) بالفاظ دیگر شریعت ، نماز، روزے ارکان اسلام کی پابندی سے متعلق احکامات پر مشتمل ہے جبکہ طریقت کا تعلق باطن کی پاکیزگی اور سوچ اور احساس کے ذریعے داخلی رویوں کی اصلاح کے ساتھ ہے۔ لیکن جس طرح جسم اور روح کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح شریعت اور طریقت بھی ایک دوسرے میں ضم ہیں۔ تصوف کا تعلق اگرچہ دونوں کے ساتھ ہے لیکن اس کا زیادہ جھکاؤ طریقت کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی اندر کی طرف اس کا جھکاؤ زیادہ ہے۔ یوں بھی Mysticism (تصوف) اصل کے اعتبار سے یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آنکھیں بند کرلینا ہیں(۲) یعنی دنیائے محسوسات سے ہٹ کر باطنی

حقیقت کی طرف رجوع کرلینا کہا جاسکتا ہے کہ تصوف تزکیۂ نفس کے بعد اپنی اصل سے واصل ہو جانے کے ذوق کا سفر ہے۔ یعنی پاکیزگیٔ باطن کے عمل سے گزر کر حقیقت مطلق سے ہمکنار ہونے کا۔۔۔ یہ ایک طرح سے سائنس بھی ہے اور آرٹ بھی کیونکہ اگر تصوف کو صفائی باطن اور حقیقت مطلق تک رسائی حاصل کرنے کا علم تسلیم کرلیا جائے تو ایک لحاظ سے یہ سائنس کہلائے گا اور اگر اسے منزل مقصود تک پہنچنے کا عملی طریق کار مان لیا جائے تو اس کو ایک فن بھی کہا جاسکتا ہے لہذا بقول سید محمد ذوقی شاہ

"تصوف بیک وقت علم (Theory) بھی ہے اور عمل (Practice) بھی۔" (۳)

خواجہ عباداللہ اختر نے غلط نہیں کہا کہ تصوف کی اصل قرآن حکیم اور آنحضرت "والذین معہ" کا اسوہ حسنہ ہے (۴)

گویا تصوف مذہب کی روح ہے کیونکہ تصوف کی رہنمائی میں انسان مقصودِ حقیقی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو بھی اسی کی نگہبانی میں دے دیتا ہے اسطرح تصوف ایک عالمگیر نظریئے کا رنگ اختیار کرلیتا ہے جس طرح مذہب کے تصور سے دنیا کسی دور میں بھی خالی نہیں رہی اُسی طرح تصوف سے بھی خالی نہیں رہی۔ انسان کی خارجی زندگی ہو، جس کا تعلق عقل کے ساتھ ہے یا روحانی زندگی جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ تصوف کی کارفرمائی ہر کہیں جاری و ساری رہی ہے۔ اسلام بھی تصوف کے جذبات سے کبھی خالی نہیں رہا۔ مارٹن لنگز نے غلط نہیں کہا کہ "تصوف اسلام کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا جسم کے لئے روح۔" (۵)

تصوف کی کارفرمائی کسی ایک قوم یا ایک مذہب تک محدود نہیں رہی بلکہ تصوف ایک عالمگیر نظریہ بن کر ہر زمانے میں ہر قوم اور ہر مذہب میں نمایاں رہا ہے۔ اس کو ایک عالمگیر نظریے کا درجہ اس لئے بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ خواہ یہ کسی قوم یا مذہب کے خمیر میں داخل ہو اس کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ ہے

عشق و محبت کا عالمگیر جذبہ ---- صوفی خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو عشق کو جزوحیات بنا کر ہی سلوک کی راہیں طے کرتا ہے ظاہر ہے کہ عشق پر عامل انسان کبھی بے عمل نہیں رہ سکتا اور رزائل اخلاق کا حامل نہیں ہوسکتا چنانچہ تصوف پر عامل انسان ہمیشہ باعمل بھی تھے اور پاکیزگی پر بھی کاربند رہے۔ پاکیزگی نفس اور تصفیۂ باطن کے لئے سالک نے تمام ادنیٰ خواہشات سے اپنے آپ کو مبرا رکھنے کے لئے ریاضت بھی کی اور دکھ بھی اٹھائے۔ انسان دوستی تصوف کا بنیادی مسلک ٹھہرا تنگ نظری، تعصب، فرقہ بندی، نفرت و حقارت، امتیازات اور اختلافات کے تمام منفی جذبات تصوف کی دنیا سے معدوم ہوگئے۔

۲- وجہ تسمیہ:

تصوف کی وجہ تسمیہ، تشریح و تعبیر اور فکری ماخذات کے بارے میں ابھی تک بحث و نظر کے دروازے بند نہیں ہوئے تاہم اس سلسلے میں جو تشریحات، تعریفات اور مباحث سامنے آئے ہیں ان کا ایک مختصر سا جائزہ لینا بے جا نہ ہوگا "قرآن مجید نے اصل صفہ کو "فقراء کے لقب سے یاد کیا ہے۔

"الفقراء المهاجرين الذين آخر جوامن ديار هم"

ترجمہ۔ ان فقرائے مہاجرین کے لئے جو گھروں سے نکال دیئے گئے اور اہل شام بھی ان کو فقراء ہی کے نام سے پکارتے تھے۔ (۶)

اگرچہ علامہ ابو نصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتا بلکہ ان کو اس کا پتہ نہایت قدیم زمانے میں ملتا ہے چنانچہ کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔

"لیکن یہ کہنا، کہ یہ ایک نوپید انام ہے جس کی ایجاد اہل بغداد نے کی، محال ہے، کیونکہ حسن بصری کے زمانے میں یہ نام مشہور تھا اور حسن بصری نے اصحاب رسول ﷺ کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا، وہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک صوفی کو دیکھا اور ان کو کچھ دینا چاہا لیکن انہوں نے نہیں لیا، ایک کتاب میں جس میں اخبار مکہ جمع کئے گئے ہیں کہ محمد بن اسحاق بن لیسار اور

دوسرے لوگوں سے ایک روایت ہے کہ "اسلام سے پہلے کسی وقت میں مکہ خالی ہوگیا تھا، یہاں تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتا تھا، اس حال میں کسی دور دراز ملک سے صرف ایک صوفی آتا تھا اور طواف کرکے واپس چلا جاتا تھا، پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا اور اس کی طرف اہل صلاح منسوب کئے جاتے تھے۔" (۷)

اس کے بعد ایک مقام پر ابو نصر عبداللہ بن علی السراج تصوف کے لفظ اور صوفی کے بارے میں لکھتے ہوئے صحابہ کے لئے صوفی کا لفظ رائج نہ ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ

"اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم صوفیا کا ذکر نہیں سنتے اور ان کے بعد بھی ہم کو اس لفظ کا پتہ نہیں چلتا، ہم اس زمانے میں زاھد عابد، سیاح، اور فقراء کے لفظ سے تو بے شک آشنا ہیں، لیکن کوئی صحابی صوفی کے لقب سے نہیں پکارا گیا، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہوگئی اس کو کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بھی معزز ہو نہیں دیا جاسکتا، کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ وہ زیادہ عباد، متوکلین، فقراء، اھل رضا، اہل صبر، اھل تواضع کے امام ہیں، یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے فیض محبت سے حاصل کیا ہے تو جب ان بزرگوں کا انتساب صحبت رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جو بزرگ ترین صفت ہے تو یہ محال ہے کہ اس بزرگ ترین صفات کے علاوہ ان کو کوئی دوسری فضیلت دی جاسکے۔" (۸)

صحابہ کرام کے زمانے سے لے کر تبع تابعین تک جب نظر ڈالی جاتی ہے تو ہمیں تفسیر و حدیث اور فقہ کے سلسلے میں جس طرح ان علوم کی تدوین اور اصطلاحات کا تدریجی سلسلہ ملتا ہے اسی طرح زھد و اتقاء اور احسان وغیرہ کی صورت بھی دکھائی دیتی ہے۔ جس کی جامع شخصیتوں پر صوفی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ امام قشیری تصوف کے لقب کے متعلق تاریخی طور پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا کیونکہ شرف محبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہوسکتا تھا، صحابہ کے بعد تابعین کا لقب پیدا ہوا۔ اس کے بعد بزرگان دین زاھد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے، زھد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا اس لئیے اہل سنت والجماعت میں جو جو لوگ زاھد اور اھل دل تھے وہ صوفی کہلائے اور یہ لقب دوسری صدی ھجری کے ختم ہونے سے پہلے رائج تھا۔"(۹)

اکثر متقدمین نے مذکورہ بالا توجیہہ کو قبول کیا ہے اور اس کے لئے عقلی و نقلی دلائل بھی پیش کئے ہیں۔

عام طور پر لفظ صوفی کا مادہ اشتقاق صفا، صف اھل صفہ، شیوصوفیا، صوفہ، صوف اور سوف وغیرہ بتایا گیا ہے۔ میر ولی الدین کی کتاب "TheQuranicSufism" کے مطابق

"صوفیوں کو ان کی پاکیزگی قلب (صفا) اور تصفیہ اعمال کی وجہ سے صوفی کہا گیا"۔(۱۰)

پروفیسر براؤن "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" میں لکھتے ہیں کہ "اس خیال کی تائید کہ صوفی کی نسبت صوف سے ہے اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ ایران میں صوفی کو پشمینہ پوش کہا جاتا ہے"۔(۱۱)

ابوریحان البیرونی اپنی کتاب الھند میں لکھتے ہیں کہ

"صوفی بھی فلاسفر ہے کیونکہ یونانی میں لفظ سوف (سین سے) بمعنی فلسفہ ہے یہی وجہ ہے کہ یونانی میں فیلسوف کو فیلا سونا کہتے ہیں۔ یعنی فلسفہ کا دلدادہ چونکہ اسلام میں ایک جماعت ایسی تھی جو ان کے مسلک کے قریب قریب تھی۔ اسی بناء پر اس جماعت کا نام بھی صوفی پڑگیا۔(۱۲)

لیکن مشہور مستشرق نالڈیکی (Noldeke) نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ یونانی الفاظ کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا جو عام قاعدہ تھا اسکے اعتبار سے لفظ "صوفی" کسی طور پر بھی یونانی کلمے سے مشتق قرار نہیں دیا

جاسکتا۔(۱۳)

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ لفظ "صوفی"، "صوفہ" سے ماخوذ ہے اور "صوفہ" ایک قبیلہ تھا جو ایام جاھلیت میں خانہ کعبہ کی خدمت پر مامور تھا۔(۱۴)

علامہ ابن تیمیہ اپنے رسالے "صوفیاء و فقراء" میں لکھتے ہیں کہ قول مستحسن و معروف یہ ہے کہ تصوف کی نسبت "صوف" سے ہے۔(۱۵)

ڈاکٹر قاسم غنی اپنی کتاب "تاریخ تصوف دراسلام" میں لکھتے ہیں کہ "تصوف کی اصل کے متعلق تمام اقوال و آراء میں سے بااعتبار لغت اور عقل یہ قول درست معلوم ہوتا ہے کہ تصوف عربی کا لفظ ہے اور صوف سے ماخوذ ہے۔"(۱٦)

علامہ لطفی جمعہ کا خیال ہے کہ "صوفی کا لفظ "ثیو صوفیا" سے ماخوذ ہے یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کا مفہوم "حکمت الہیٰ" ہے۔ صوفی کی غایت "حقیقت اولیٰ" کی دریافت کرنا ہے۔"(۱۷)

غلام احمد پرویز کے خیال میں "صوفی" لفظ صوف سے مشتق ہے جس کے معنیٰ موٹی اون کے کمبل نما کپڑے کے ہیں"۔(۱۸)

لفظ صوفی پر جس قدر بھی بحث ملی ہے، اکثریت کا رجحان "صوف" کے لباس کی طرف پایا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کی دیگر تسمیہی صورتیں ہوں لیکن جہاں تک لفظ صوفی کے اشتقاق کا تعلق ہے وہ لفظ "صوف" ہی کی تائید میں ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں تصوف کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے بہت سے بزرگوں کے اقوال نقل کئے ہیں لیکن اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لفظ "صوف" کو قبول کیا ہے اور صوفی، صوف سے مشتق ہے کا عنوان قائم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اگر بااعتبار اشتقاق دیکھا جائے تو یہی لفظ موزوں اور مناسب ہے کہ جب کوئی پشمین (صوف) کا لباس پہنتا ہے تو عرب کہتے "تصوف" یعنی صوف پہنا جس طرح کوئی قمیض پہنتا تو کہتے "تقمص" اس نے قمیض پہنی۔"(۱۹)

صوفیاء کے ہر لحہ احوال و مقامات کی ارتقائی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے سہروردی لکھتے ہیں کہ

"ان لوگوں کے احوال و مقامات میں ہمیشہ عروج و ترقی ہوتی رہتی ہے، اور علم کے دروازے ان پر ہمیشہ کشادہ رہتے ہیں، ان کا باطن مجمعَ علوم اور معدن حقیقت ہوتا ہے اسی لئے ان کا کسی حال کے ساتھ مقید ہونا دشوار ہے۔ انکا وجدان ہمہ جہت اور گوناگوں ہے پس ان کو کسی باطنی صفت کے ساتھ موصوف کرنا دشوار تھا۔ لہذا ان کے لباس ظاہری سے منسوب کر کے صوفی کہنے لگے کہ اس لفظ سے ان کو منسوب کرنے میں ان کے اوصاف کی وضاحت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ پشمین (صوف) کا لباس پہننا ان کے اسلاف (صوفیہ متقدمین) کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے اس لئے ان کو صوفی کہا جانے لگا، کہ ان کا حال ویسا ہے جیسا کہ مقربین بارگاہ خداوندی کا ہے، بس اس صورت میں اگر قرب الہیٰ سے ان کو منسوب و متصف کیا جانا اور ان کی عظمت کی طرف اشارہ کرنا ایک دشوار امر تھا، اس لئے ان کے حال (یعنی قرب کی حالت) کو چھپانے اور ان کے باعظمت مقام کو اشاروں کی کثرت اور اس قرب الہیٰ کے تذکرے کو عوام الناس کی زبانوں سے محفوظ رکھنے کے لئے محض لباس کی مناسبت سے ان کا نام صوفی رکھ دیا۔" (۲۰)

پروفیسر آر۔ اے نکلسن جن کا مطالعہ تصوف کے بارے میں خاصہ وقیع و وسیع ہے۔ لفظ تصوف، صوفی اور صوف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"دوسری صدی ھجری ختم ہونے والی تھی (۸۱۶-۷۱۹) کہ عراق میں ایک نئی اصطلاح "صوفی" نمایاں ہوئی اور اس کے بعد مسلمان صوفیہ عام طور پر اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ اس کا ماخذ "صوف" تھا یعنی بے رنگ اُون کا ایک کھردرا کپڑا جو مسیحی راہب پہنا کرتے تھے۔ یہ ان بے شمار نشانیوں میں سے ایک ہے جو ایک ہی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔" (۲۱)

۳۔ تصوف کی تعریفات

جہاں تک تصوف کی تعریف کا تعلق ہے اس سلسلے میں بھی کافی بحث و

تمحیص پائی جاتی ہے اس کی ابھی تک کوئی ایک قطعی تعریف نہیں ہو سکی(۲۲) مختلف لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری کے رسالہ "قشیریہ" میں بے شمار تعریفات درج کی گئی ہیں۔ یہاں ان میں سے چند ایک اہم تعریفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ امام ابوالقاسم حضرت جنید کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"تصوف حضور قلب سے ذکر کرنے اور سُن کر وجد میں آنے اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے"۔(۲۳)

دوسری جگہ حضرت جنید ہی نے فرمایا:

"تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کردے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے"۔(۲۴)

ابو محمد جریری نے فرمایا کہ:

"یہ ہر اعلیٰ خلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے"۔(۲۵)

عمر بن عثمان مکی نے تصوف کے بارے میں فرمایا کہ:

"تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حال میں رہے جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔"(۲۶)

ابو علی رودباری فرماتے ہیں کہ محبوب کے در پر ڈیرہ ڈال دینے کا نام تصوف ہے خواہ وہ دھکے ہی کیوں نہ دے نیز فرمایا کہ بُعد کی کدورت کے بعد قرب (خداوندی) کی صفائی کا نام تصوف ہے(۲)

حضرت داتا گنج بخش کی معروف تصنیف "کشف المحجوب" میں لکھا ہے کہ

"صفا ولایت کی منزل ہے اور اس کی نشانیاں ہیں اور تصوف "صفا" کی ایسی حکایت و تعبیر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو۔"(۲۷)

آر۔ اے نکلسن نے ایڈورڈ کارپینٹر کے حوالے سے تصوف کے بارے میں لکھا ہے۔

"یہ اس حالت کا نام ہے جس میں تمام حسیں ایک ہی حس میں متحد ہوجاتی ہیں"۔(٢٨)

حضرت ابوبکر مزالی فرماتے ہیں

"التصوف حال یفهحل قبها معاله"

یعنی تصوف ایک حال ہے جس میں انسانی آثار جاتے رہتے ہیں(٢٩)

حضرت ابوسعید اعرابی فرماتے ہیں کہ

"التصوف کله ترک الفضول"

تصوف تمام فضولیات کے ترک کرنے اور یگانگی کا نام ہے(٣٠)

امام ابوبکر ابواسحاق کے خیال میں "حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے"۔(٣١)

حضرت بندار بن حسین فرماتے ہیں کہ "تصوف عہد پر وفا کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو بات دل میں گزرے اس کے لئے کرے تو وہی کرے"۔(٣٢)

حضرت ابوعبداللہ رودباری فرماتے ہیں:

"التّصوف ترک التّکلّف واشتغال التّظرف و خلاف المترف"

یعنی تصوف تکلف کو چھوڑنے اور پاکیزگی کا برتاؤ کرنے اور برائی کو دور کرنے کا نام ہے۔(٣٣)

حضرت ابوالحسن سیروانی فرماتے ہیں:

"التّصوف ترک الخلق و افراط الهمه"

یعنی تصوف خلقت کے ترک اور ہمت کی زیادتی کا نام ہے(٣٤)

حضرت مرتعش فرماتے ہیں کہ:

"التّصوف حسن الخلق"

تصوف نیک خلق ہے(٣٥)

محمد بن احمد المکری فرماتے ہیں:

"التصوف استقامہ الاحوال مع الحق"
تصوف اہل تصوف کے حالات کے حق تعالیٰ کی معیت کے ساتھ درستی اور راستی ہے۔(۳۶)

علی بن بندار الصیرفی نیشاپوری فرماتے ہیں:
"التصوف اسقاط الرویتہ للحق ظاہراً وباطناً"
یعنی تصوف یہ ہے کہ صوفی اپنے آپ کو ظاہر و باطن میں نہ دیکھے، صرف مشاہدۂ حق ہو"(۳۷)

بشیر احمد ڈار نے اپنی کتاب "تاریخ تصوف" میں تصوف کی تعریف یوں کی ہے کہ: "تصوف عملی طور پر وہ طریقہ حیات ہے جس کا مقصود ذات خداوندی سے بلاواسطہ رابطہ پیدا کرنا ہے۔"(۳۸)

حضرت معروف کرخی فرماتے ہیں: "تصوف کے معنی ہیں حقائق کا حاصل کرنا۔ مخلوق کے ہاتھ میں ازقبیل لقائم و اقتدار جو کچھ ہے اس سے یکسر رُوگرداں ہوجانا۔"(۳۹)

ابو محمد جریری فرماتے ہیں: "تصوف کے معنی یہ ہیں کہ جملہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف طیبہ کے ایوان میں داخل ہوجانا، اور ہر قسم کے اخلاق رزیلہ اور اوصاف رویہ سے پاک صاف ہوجانا۔"(۴۰)

رویم کے نزدیک تصوف کی تعریف یہ ہے: "تصوف عبارت ہے تین خصلتوں سے

(۱)۔ پہلی خصلت ہے، فقر اور افتقار سے چمٹے رہنا

(۲)۔ دوسری خصلت ہے بذل و ایثار کو اپنا شعار بنالینا۔

(۳)۔ اور تیسری خصلت ہے ترک تعرض ور اختیار!"۔(۴۲)

پروفیسر یوسف سلیم کے بقول "تصوف دل کی نگہبانی کا دوسرا نام ہے۔"(۴۳)

علامہ عبدالوھاب الشعرانی کے بقول "علم تصوف اس علم کا نام ہے جو ولیوں کے دلوں میں اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جب کتاب و سنت پر عمل

کرنے سے وہ منور ہو جاتے ہیں۔"(۴۳)

حضرت امام محمد باقر علی بن حسین بن علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "تصوف خوش خوئی کو کہتے ہیں جو زیادہ خوش خُو ہوتا ہے وہ زیادہ صوفی ہوتا ہے۔"(۴۴)

عارف عبدالمتین لکھتے ہیں۔

"تصوف نوں شریعت تے طریقت دے وسیلے نال سچائی تیک اپڑن دا اک عملی منصوبہ قرار دتا جاسکدا۔"(۴۵)

(تصوف کو شریعت اور طریقت کے وسیلے سے سچائی تک پہنچنے کا ایک عملی طریقہ قرار دیا جاسکتا ہے۔)

ان تعریفات کی روشنی میں اس حقیقت کا تعین مشکل نہیں کہ تصوف قلب کی پاکیزگی، حقیقت مطلق کو پانے کی تڑپ، فقر و استغناء، اوصاف حمیدہ کے حصول، بلندیٔ اخلاق، ترفع اور ترک علائق کا نام ہے، تصوف کی راہ سے انسان نے نیک خلق حاصل کیا، قناعت کا درس سیکھا، ضبط نفس کے مراحل سے گزرا اور آگہی کی منازل کو طے کیا، ظاہر ہے انسانی سیرت اور خصائل و فضائل کی معراج اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔

(۱)۔ سردار اقبال علی شاہ اپنی کتاب Islamic Sufism میں لکھتے ہیں۔

"Tasawwuf consists of two duties-action (Formalism) which consists in conforming to the lines of the shariat or the cannons of Islam. and then thinking and feeling (Tariqat).

"Islamic Sufism" the book house, Urdu bazar, Lohore, P-20

(۲)۔ بحوالہ "تصوف کی حقیقت" از غلام احمد پرویز، مطبوعہ ادارۂ علوم اسلامیہ، اول ایڈیشن ۱۹۸۱ء ص ۲۴

(۳)۔ حوالہ "حقیقت تصوف" السید محمد زوقی شاہ، مطبوعہ الکتاب لاہور ۱۹۶۷ء، ص ۱۵

(۴)۔ بحوالہ "علم تصوف" از خواجہ عباداللہ اختر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۱ء، ص ۵

(۵)- "What is Sufism"P-106,George Allenn & Marwin Ltd. 1975.

(۶)۔ بحوالہ اسوۂ صحابہ، ص ۲۵۷۔ ۲۵۸، مصنفہ عبدالسلام ندوی، مطبوعہ لاہور مکتبہ عارفین ۱۹۷۶ء، جون
(۷)۔ بحوالہ اسوۂ صحابہ، ص ۲۵۷۔ ۲۵۸، مصنفہ عبدالسلام ندوی،
(۸)۔ کتاب اللمع مطبوعہ یورپ، صفحہ ۲۲ سے مولانا عبدالسلام ندوی نے حوالہ دیا ہے۔
(۹)۔ "رسالہ قشیریہ" تصنیف امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری۔ ترجمہ از ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اشاعت اول، ۱۹۷۰ء، ص ۹
(۱۰)۔ "The Quranic Sufism", P-I, Progressive Book, Lohore, Second Edition, 1978
(۱۱)۔ پروفیسر براؤن "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" جلد اول، ص ۴۱۷
(۱۲)۔ کتاب الہند از ابوریحان البیرونی، ص ۱۶ پہلا صفحہ غائب ہے (بوسن روڈ کالج ملتان سے ملی)
(۱۳)۔ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" از ڈاکٹر خلیق احمد نظامی، دارالمولفین اسلام آباد، ص ۱۸
(۱۴)۔ بحوالہ "فلسفہ کے بنیادی مسائل" قاضی قیصر الاسلام، نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی، اشاعت اول ۱۹۷۶ء، ص ۴۰۹
(۱۵)۔ بحوالہ "فلسفہ کے بنیادی مسائل" اشاعت اول ۱۹۷۶ء، ص ۴۰۹ قاضی قیصر الاسلام،
(۱۶)۔ "تاریخ تصوف در اسلام" ڈاکٹر قاسم غنی، ص ۹۶
(۱۷)۔ بحوالہ "فلسفے کے بنیادی مسائل" قاضی قیصر الاسلام، ص ۴۸،
(۱۸)۔ "تصوف کی حقیقت" غلام احمد پرویز، ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ۔ ۲، لاہور۔ ۱۱، ص ۱۷
(۱۹)۔ "عوارف المعارف" اردو ترجمہ، مطبوعہ کراچی مدینہ پبلشنگ کمپنی خلاصہ، ص ۲۰۰۔ ۲۰۱
(۲۰)۔ ایضاً ص ۲۰۰۔ ۲۰۱
(۲۱)۔ بحوالہ "میراث اسلام" از سر ٹامس آرنلڈ والفریڈ ترجمہ عبدالمجید سالک، بار اول، ص ۲۹۳
(۲۲)۔ حضرت شیخ علی ہجویری کشف المحجوب میں ابن جلار رحمتہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں
"التصوف حقیقتہ لارسم لہ"
(تصوف ایک ایسی حقیقت ہے جس کی ظاہری تعریف کوئی نہیں) اس لئے کہ ظاہری تعریف معاملات میں مخلوق خدا کا حصہ ہے اوراس کی حقیقت خدا کا خاصہ ہے۔ جب تصوف مخلوق سے منہ پھیر لیتا ہے تو لامحالہ اسکی کوئی ظاہری تعریف نہ ہونی چاہیئے۔ (بیان المطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب، ص ۶۴، مطبوعہ فیروز سنز، اٹھارویں بار، ۱۹۷۵ء)
(۲۳)۔ بحوالہ "رسالہ قشیریہ" از ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد

حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اشاعت اول ۱۹۷۰ء، ص ۴۳۰

(۲۴)۔ ایضاً، ص ۴۲۸

(۲۵)۔ ایضاً، ص ۴۲۸

(۲۶)۔ بحوالہ "رسالہ قشیریہ" از ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۴۲۹

(۲۷)۔ بحوالہ کشف المحجوب از داتا گنج بخش، ص ۲۲ ترجمہ اردو بیان المطلوب (مترجم مولوی فیروز الدین) مطبوعہ فیروز سنز، لاہور، انیسویں بار ۱۹۷۶ء

(۲۸)۔ بحوالہ "میراث السلام" مرتبہ سرتاس آرنلڈ والفریڈ مترجمہ عبدالمجید سالک، ص ۲۹۱

(۲۹)۔ الفقر فخری از قلندر علی صاحب سہروردی مد ظلہ العالی، ناشر مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور، بار اول، ص ۱۲۸

(۳۰) الفقر فخری از قلندر علی، ص ۱۲۹

(۳۱)۔ بحوالہ "تعرف" از امام ابوبکر بن ابواسحاق ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، المعارف لاہور، بار اول ۱۳۹۱ھ، ص ۱۳۸

(۳۲)۔ بحوالہ الفقر فخری از قلندر علی صاحب قبلہ سہروردی مد ظلہ العالی، ص ۱۲۹،

(۳۳، ۳۴)۔ بحوالہ الفقر فخری از قلندر علی صاحب قبلہ سہروردی مد ظلہ العالی، ص ۱۲۹،

(۳۵، ۳۶، ۳۷)۔ بحوالہ علم تصوف، ص ۲۱ خواجہ عباد اللہ اختر، رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ، مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۵۱ء

(۳۸)۔ "تاریخ تصوف" بشیر احمد ڈار، ص ۱، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، اکتوبر ۱۹۶۲ء

(۳۹، ۴۰)۔ بحوالہ "تصوف اور اسلام" رئیس احمد جعفری، کراچی، ص ۱۸۹

(۴۱)۔ بحوالہ "تصوف اور اسلام" رئیس احمد جعفری، کراچی، ص ۱۸۹

(۴۲)۔ "تاریخ تصوف" علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف، لاہور طبع اول ۱۹۷۶ء، ص ۶

(۴۳)۔ "طبقات الاولیاء" ترجمہ از سید عبدالغنی وارثی، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، طبع اول ۱۹۶۵ء، ص ۲۱

(۴۴)۔ "مراۃ الاسرار" ص ۱۱۳، جلد اول، صوفی فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۲ء

۴۵۔ "پرکھ پڑچول" از عارف عبدالمتین، ص ۱۸، مطبوعہ جدید ناشرین، لاہور، بار اول ۱۹۷۹ء

تصوف کا تاریخی ارتقاء

(۲)

(۱) یونانی تصوف:

اس سے پہلے کہ ہم اسلامی تصوف کے ارتقاء کا تذکرہ کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قبل از اسلام دنیا کے مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں تصوف کی روایات کا اجمالی جائزہ لیں تا کہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے متصوفانہ افکار کا فرق بھی واضح ہو سکے اور تصوف کے ارتقاء کی کڑیاں بھی باہم مربوط ہو سکیں۔ یونان کی سرزمین علم و دانش اور فلسفہ و فکر کے لحاظ سے قدیم بھی ہے اور اہم بھی یہی وہ مرزبوم ہے جہاں سب سے پہلے صوفیانہ تصورات کا آغاز ہوا۔ آرفیس نامی ایک شخص تصوف کا بانی ہے۔ (۱) جس کی تعلیمات ساتویں اور چھٹی صدی قبل از مسیح میں تمام یونان میں پھیل چکی تھیں۔ (۲) آرفیس نے پہلی مرتبہ ایسی خانقاہیں قائم کیں جہاں تعلیم و تدریس بھی کی جاتی تھی اور یہی خانقاہیں عبادت گاہوں کا کام بھی دیتی تھیں۔ آرفیس کی فکر نے انسان اور خدا کے درمیان تعلق اور انسانی روح اور خدا کے درمیان اتحاد کے متعلق فکری توجیہات پیش کیں۔ آرفیس کے پیروکاروں میں زہد و ریاضت اور پابندیٔ اخلاق کے رجحانات پائے جاتے تھے لیکن بعد میں آنے والے لوگ بے عملی کی طرف مائل ہو گئے اور نہ صرف گداگری پر اتر آئے بلکہ لوگوں کو تعویذ گنڈوں کے ذریعے لوٹنے بھی لگے افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریت کے باب دوم میں آرفیسی فقرا کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جنہوں نے گداگروں کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ آرفیسی کے یہاں حیات بعد موت کا تصور موجود ہے اگرچہ راہبانہ طرز زیست کی ترویج کی وجہ سے آرفیسی نظریات عوام میں کوئی ہمہ گیر تحریک کا باعث نہ بن سکے لیکن یونانی فلسفی اور حکیم ان افکار سے متاثر

ہوئے ان متاثرین میں یونانی شاعر پنڈار، ریاضی دان فیثا غورث اور حکماء سقراط اور افلاطون خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فیثا غورث (۳) نے تو آرفیس نظام فکر میں مناسب تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ اس کی عمومی خرابیاں دور کی جا سکیں وہ اس نظام کو تو درست سمجھتا تھا لیکن اس کے اندر چند اصطلاحات کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ آرفیس کے نظام تصوف میں غیر اخلاقی رسوم بھی پائی جاتی تھیں جن سے سفلی جذبات کے مشتمل ہونے کا خدشہ موجود تھا۔ فیثا غورث نے آرفیس نظام فکر میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر کے اس خدشے کو دور کرنے کی کوشش کی اور ایک بہتر تصور پیش کیا۔ آرفیس کے نزدیک روح کا جسم میں مقید ہونا انسان کے لئے بد قسمتی کا باعث ہے جبکہ فیثا غورث نے روح کی اس قید کو انسان کی بھلائی تصور کیا۔ اس طرح اس نے آرفیس سلبیت کو ایجابی شکل دے دی فیثا غورث کائنات میں دوئی کا قائل تھا۔ اور روح کے بارے میں اس کے نظریات ہندوؤں کے نظریہ تناسخ کے قریب تھے۔ (۴)

جب علم و دانش اور حکمت و فلسفہ کا مرکز یونان کی سرزمین سے منتقل ہو کر اسکندریہ میں قائم ہوا تو وہاں فیثا غورث کے نام کی مناسبت سے فیثا غورثی دبستان وجود میں آیا (۵) اس دبستان کا مرکزی تصور "ثنویت" تھا جو صوفیانہ نظام میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ فیثا غورثی دبستان کا خیال تھا کہ خالق کائنات اور کائنات کے درمیان اور جسم اور روح کے مابین دوئی موجود ہے۔ روح اصول خیر ہے جبکہ جسم اور مادہ اصول شر۔ اسی لئے ریاضت اور مجاہدے پر زور دیا گیا تاکہ مادی رکاوٹوں کو دور کر کے انسان روحانی قوت حاصل کرے اور خدا سے رابطہ قائم کر سکے۔ اس دبستان کا دوسرا رخ عرفانی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ تحریک دو صدی قبل از مسیح سے شروع ہو کر دوسری صدی عیسوی تک رہی۔ اس تحریک نے اس زمانے کے مختلف مذاہب اور تصورات سے بالعموم اور مصری مذاہب و

افکار سے بالخصوص استفادہ کیا، عرفانی تحریک کا پیش رو حربیس تھا۔ اس تحریک کے تصورات میں ثنویت اور جمہوریت کو خاص اہمیت حاصل رہی۔

عرفانی افکار و خیالات کی ترویج سے کچھ عرصہ بعد اسکندریہ (٦) میں نوافلاطونی مفکر فلاطینوس (۲۰۴-۲۰۵ یا ۲۰۵ء) (۷) Plotinus میں پیدا ہوا جس نے اپنی تصنیف اینڈز (Enneds) میں اس تحریک پر سخت تنقید کی ہے اگرچہ خود اس کے نظام فکر میں عرفانیوں کے تصورات پائے جاتے تھے۔ فلاطینوس کی یہ کتاب ان مباحث پر مشتمل ہے جو اس نے اپنے حلقہ درس میں دیئے تھے۔ فلاطینوس کے افکار میں دو عالموں کی تقسیم موجود ہے ایک عالم محسوسات اور دوسرا عالم معقولات، موخرالذکر عالم دراصل اس کے نزدیک عالم روحانی کا درجہ رکھتا ہے۔ روح کے معاملے میں فلاطینوس کا تصور بھی عرفانی تصور روح کے عین مطابق ہے یعنی وہی راہبانہ اور ترک علائق کا نظریہ۔ اسکے خیال میں روح اور مادہ دو الگ الگ چیزیں ہیں جن کا آپس میں کوئی ربط نہیں، فلاطینوس بقول بشیر احمد ڈار۔

"حقیقی معنوں میں ایک صوفی ہے اس نے مشرق اور مغرب کی تمام فکری کاوشوں اور مغربی افکار سے استفادہ کیا اور ان کی بناء پر اپنا نظام فکر پیش کیا عیسائیوں اور مسلمانوں میں تصوف کی جو شکل رائج ہوئی اسکی تعمیر و تشکیل میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔" (۸)

فلاطینوس کے نظریۂ تصوف کی آخری منزل رویت خداوندی ہے۔

(۲) یہودیوں میں تصوف

یونانیوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے یہاں بھی تصوف کی روایت زمانہ قدیم سے ملتی ہے۔ غلام احمد پرویز لکھتے ہیں۔۔۔۔ "معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی پہلی تباہی کے بعد بابل کی اسیری کے زمانے میں، جبکہ قوم اپنے ضعف و انحطاط کی انتہا تک پہنچ چکی تھی (اور یہی زمانہ تصوف کے اُبھرنے کا ہوتا ہے) ان میں بھی کچھ کچھ باطنیت کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے۔ لیکن

حقیقی تصوف ان میں اس کے بعد جا کر آیا جب ان کے مذہبی پیشواؤں نے اسکندریہ میں یونانی فلسفہ کا مطالعہ کیا۔۔۔" (۹)

"ورثۂ اسرائیل" (۱۰) کے مطابق عہد عتیق میں صوفیانہ خیال موجود نہ تھے لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں ہے اس لئے کہ عہد عتیق کی تحریروں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی مذہب اور عقیدہ انسان کی داخلی واردات اور متصوفانہ کیفیات سے تہی نہیں رہا۔ عہد عتیق کے نوشتوں میں انبیاء اسرائیل کی ایسی داخلی واردات کا ذکر مُوجود ہے جن کی بنیاد پر یہودیوں کے یہاں تصوف کی روایت قائم ہوئی حکیم فیلو کو یہودی تصوف کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے، مسلمان صوفیاء اور حکماء بالخصوص حلاج، ابن عربی، غزالی اور روسی فیلو سے متاثر نظر آتے ہیں اسی طرح ہریکلیٹس (Heraclitus ۵۳۸ تا ۴۷۵ ق م) کے نظریات بقول کورن فولڈ "قدیم یونانی فطرتی فلسفیوں کی مادیت کے خلاف ایک صوفیانہ رد عمل تھا (۱۱)" اس نے خارجیت کے مقابلے میں داخلیت پر زور دیا اور نفس کے اندر ڈوب کر حقیقت کو پانے کا درس دیا۔ یہودی صوفیاء نے اپنے اپنے حلقے اور سلسلے قائم کر رکھے تھے۔ جہاں مخصوص لوگوں کو خفیہ طور پر تصوف کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن یہودی تصوف نے اخلاقی اقدار کی ترویج میں کوئی حصہ نہ لیا اس لئے کہ اس کا مرکز انسان کبھی نہ رہا یہ تصوف زیادہ تر خدا کی ذات تک محدود رہا۔ انسان اور کائنات اس کے موضوع میں شامل نہ تھے۔ یہودی تصوف کی سب سے اہم کتاب "زہار" ہے۔ (۱۲)

(۳) عیسائیت میں تصوف:

عیسائیوں تک پہنچتے پہنچتے تصوف نے ایک منظم شکل اختیار کرلی، اب یہ ایک باقاعدہ مسلک بن گیا۔ خانقاہیں قائم ہوئیں۔ زندگی بسر کرنے کے طریق مقرر ہوئے۔ روحانیت کے حصول کے لئے ریاضت اور زہد کے مدارج متعین ہوئے۔ جابجا Saints نے اپنے مرکز قائم کئے اور اس طرح پورا مذہب تصوف کی

آماجگاہ بن گیا۔ (۱۳)

عیسائیوں میں تصوف کی روایت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے "بابل" میں صوفیانہ حلقے قائم ہوئے جہاں پیرو مرشد اپنے چند مریدوں کو ان علوم و اسرار کی تعلیم دیتا تھا۔ " (۱۴) ہرمیس (۱۵) (Hermes) کے نوشتے تصوف اور فلسفے کا امتزاج پیش کرتے ہیں۔ ان نوشتوں میں خدا کی وحدانیت کا تصور ملتا ہے۔ یہی نوشتے بقول بشیر احمد ڈار

"اپنی بنیادی روح اور ظاہری ہیت کے لحاظ سے تصوف کے پیش رو تھے اور انہی باطنی نظاموں کے فکری تصورات اور عملی شکل سے عیسائی مذہب اور تصوف متاثر ہوا۔" (۱۶)

عیسائیت کا ابتدائی دور در حقیقت تصوف ہی کا دور تھا۔ یوحنا کی انجیل صوفیانہ تصورات پر مشتمل نظر آتی ہے۔ بعد میں عیسائی صوفیا نے یوحنا کی انجیل کے تصورات کو اپنا لیا۔ عیسائی تصوف کی تاریخ میں سب سے پہلی اور اہم شخصیت کلیمنٹ Clement (۱۵۰-۲۱۶ھ) کی ہے اس پر فلاطینوس اور کئی دوسرے فلسفیوں کا گہرا اثر تھا۔ عقلی علوم کو اہمیت دینے کے باوجود کلیمنٹ نے نجات کے لئے ایمان اور روحانیت پر بہت زور دیا، کلیمنٹ کے بعد دوسرا اہم عیسائی صوفی آگسٹائن ہے (۳۵۴-۴۳۰ء) اس کی اہم کتاب Confessions (اعترافات) اپنے عہد کی مذہبی زندگی کی بہترین ترجمانی کرتی ہے۔

(۴) چینی تصوف:

چینی تصوف کا ابتدائی دور وہ ہے جب کچھ لوگ اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات سے مایوس ہو کر پہاڑوں میں جا بسے اور راہبانہ زندگی اختیار کر لی۔ ان صوفیوں میں سے ایک نے (یانگ چُو Yangchu) جس کا زمانہ ۴۷۹ اور ۲۸۹ ق م کے درمیان بتایا جاتا ہے ایک فکری نظام مرتب کرنے کی کوشش کی۔

چینی تصوف کا دوسرا دور وہ ہے جب حکیم لاوزی (Laotzee) پیدا ہوا۔

(تاریخ پیدائش ۶۰۴ ق م) لاوزی کے نظام فکر کا بنیادی تصور طاؤ ہے جو قوانین اخلاق اور اصول ما بعد الطبیعات کا احاطہ کرتا ہے اس کا مثالی صوفی انسانیت کا علمبردار ہے جو ہر انسان سے ہمدردی کو شعار بناتا ہے۔ عجز، محبت ترحم اور شفقت اس کے بہترین اصول ہیں۔ لاوزی کے صوفیانہ افکار کی ترویج اور ترقی میں اس کے شاگردوں جوزنگ زی (Chuangtze) اور لے زی (Liehtze) نے بہت حصہ لیا۔

بدھ مت کی ابتداء (پہلی صدی عیسوی) کے ساتھ ہی طاؤمت پر اس کے اثرات شروع ہوگئے۔ بدھ کی تعلیمات میں تصوف کے رجحانات موجود تھے۔ بدھ کی تعلیمات کے مطابق انسان جسم، تاثرات، ادراکات، جذبات اور شعوری اعمال کا مجموعہ ہے۔ طاؤمت اور بدھ مت دونوں نے ایسی خانقاہیں قائم کیں جن میں درویش اور مرید تجرد کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عورتوں کے لئے الگ خانقاہیں تھیں۔

بدھ کے مطابق ہم خارج اور باطن میں خواہشات کے بندھنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان خواہشات سے آزاد ہونے کی واحد صورت ایسا ضبط نفس ہے جو عدم محض پر منتج ہو۔ اس سے نجات ممکن ہے۔ کاملیت کا درجہ خواہشات کی نفی، جذبے کے انسداد، ترک طلب، زندگی کے شدائد اور مسائل کے برداشت، عزلت، نشینی، ترک علائق، شعور اور تصور کے انقطاع، لالچ، بغض، بد زبانی اور بد کلامی سے اجتناب، کسب حلال، درست اعمال، تزکیہ باطن اور مراقبے سے حاصل ہوتا ہے(۱۷)

بدھ مت کے اثرات بہت دوررس ثابت ہوئے اور بہت سے مذاہب اور اقوام نے اس کے اثرات قبول کئے۔

(۵) جاپانی تصوف

چھٹی صدی قبل از مسیح میں بدھ مت کا آغاز ہندوستان سے ہوا اور جنوب مشرقی ایشیا، سیلون، سری لنکا، تھائی لینڈ، برما، ویت نام، لاؤس، کمبوچیا، وسطی ایشیا، تبت، چین، کوریا اور جاپان تک پھیل گیا۔ جاپانی تصوف کی روایت اسی

بدھ مت ہی سے وابستہ رہی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ جاپانی تصوف بدھ مت اور چینی فلسفے کے امتزاج سے وجود میں آیا (۱۸) اگرچہ جاپان کا قدیم ترین مذہب شنتو تھا لیکن اس مذہب کے پاس کوئی الہیاتی فلسفہ نہیں تھا۔ البتہ شنتو کے پیروکاروں نے خانقاہیں ضرور تعمیر کیں۔ جاپان میں صحیح معنوں میں مذہبی فلسفے اور فکر کی ابتداء بدھ مت کے تعارف کے بعد ہوئی۔ بدھ مت میں تصوف کی روایت مُوجود تھی۔ سخت ریاضت اور عبادت کے ذریعے تزکیۂ نفس، خواہشات کو کچلنے کی تلقین، اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق سے ہمدردی اور اُلفت، پھر وہ ہشت پہلو عمل جس کی مدد سے دکھوں سے مُکتی (نجات) ملتی ہے۔ یعنی سچے نظریات، سچی گفتار سچا کردار، سچی خواہشات، سچی کوشش، سچی باضمیری اور سچا استغراق،۔۔۔۔۔ یہ وہ عناصر تھے جو بدھ نظریے کے حوالے سے جاپانی تصوف میں داخل ہوئے۔ جاپانی تصوف میں دھیان گیان، استغراق اور تفکر کی بڑی اہمیت رہی۔ جاپانی صوفی وشی اور بھکشو کہلاتے تھے۔ پروفیسر محمد امین کے بیان کے مطابق

''جاپان کے صوفیانہ فکر میں دھیان اور تفکر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اُسے زین کا اثر بھی کہا جا سکتا ہے لیکن زین سے پہلے ہی جاپان میں یہ ایک قسم کی چائے کی رسم تھی جسے ایک مذہبی فریضے کی حیثیت حاصل تھی۔ اب بھی یہ رسم مذہبی تقدس کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ اس رسم میں بھی دھیان پر زور دیا جاتا ہے۔ جاپانی طبعاً فطرت سے محبت کرتا ہے اور فطرت کے مشاہدے سے جو اسے روحانی تسکین ملتی ہے وہ اُسے اپنی فکر کا محور بناتا ہے یہی تفکر کی حالت ہی لمحۂ عرفان ہے مگر اس کے لئے پہلے نفی ذات اور لاذہنی ضروری ہے۔'' (۱۹)

بدھ فلسفے کے مطابق نروان کے لئے خود کا فنا ہونا ضروری نہیں البتہ اس میں حواس ختم ہو سکتے ہیں۔ جاپانی تصوف میں بھی حواس کے ختم ہونے یا لاذہنی کے تصور کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے جاپانی تصوف میں لاذہنی کے بغیر عرفان کا حصول ممکن نہیں۔ اس میں صوفی کی مختلف ذہنی کیفیات کا ذکر بھی تفصیل

سے ملتا ہے اور صوفیوں کے مختلف فرقے بھی بتائے جاتے ہیں جن میں ہر فرقے کا الگ خانقاہی سلسلہ بھی ہوتا ہے۔ پروفیسر محمد امین کے بیان کے مطابق

"جاپانی تصوف میں صوفی ریاضت اور خانقاہی زندگی اختیار کرتا ہے اور جس خانقاہ یا سلسلے سے وہ وابستہ ہوتا ہے اس کے رسم و رواج اور آداب کی پابندی کرتا ہے یہ پابندی بڑی سختی سے کی جاتی ہے اس کی نمایاں خصوصیت صوفی کا لمحۂ فکر ہے جسے جاپانی بدھ مت میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔" (۲۰)

(۶) ہندی تصوف

ہندی تصوف کی ابتداء ویدوں سے ہوئی جن میں تخلیق کائنات، عالم بالا، عالم سفلی اور وحدت الوجود کے بارے میں نظریات موجود ہیں۔ بعض اقوال سے مراقبے کی اہمیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ویدوں کے آخری حصے اپنشدوں پر مشتمل ہیں جن کا پیش کردہ تصوف "برھم سوتر" کہلاتا ہے اپنشدوں کو تصوف کی قدیم ترین تحریریں قرار دیا جاتا ہے، پروفیسر روائس (Royce) کے مطابق

"صوفیانہ عقائد کی پوری داستان ان کتابوں میں قلم بند کر دی گئی ہے" (۲۱)

بعض اپنشدوں کا زمانۂ تصنیف آٹھویں صدی ق م ہے۔ اپنشدوں کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ عرفان حقیقت ہے اور حقیقت سے مراد "خدا" ہے۔ عرفانی حقیقت کا واحد ذریعہ عشق ہے۔ اپنشدوں میں توحید کا تصور نمایاں طور پر ملتا ہے۔ یہ بھی کہ کائنات اس ذات واحد کا مظہر ہے۔ اپنشدوں کی شرح کرنے والوں میں سب سے زیادہ اہمیت اور مقبولیت شری شنکر اچاریہ کو حاصل ہوئی۔ شنکر اچاریہ کے علاوہ ویدانت کا ایک بڑا مبلغ یا تنجلی ہے۔ وہ بھی وحدت وجود کا قائل تھا۔ (۲۲)

شنکر اچاریہ کے صوفیانہ فکر کو "ویدانت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ "ویدانت" کے اثرات بہت دور رس اور دیر پا ثابت ہوئے ہندو تصوف میں دوسرا اہم نام وشی ویاس کا ہے جس کی کتاب "بھگوت گیتا" فلسفے اور تصوف کے

مرکب پر مشتمل ہے، اس کا زمانہ تصنیف پانچویں صدی قبل از مسیح سے لے کر دوسری صدی عیسوی تک بتایا گیا ہے (۲۳) ہندوؤں کے متصوفانہ افکار کے سلسلے میں اپنشد، برہم سوتر اور "بھگوت گیتا" نہایت اہم اور مستند ماخذ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

(۹) اسلامی تصوف

جہاں تک اسلامی تصوف کا تعلق ہے کچھ لوگ اس کی تعلیمات کو قرآن حکیم سے منسلک کرتے ہیں اور ثبوت کے طور پر کئی ایک آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور بعض لوگ تصوف کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور اس میں شک بھی نہیں کہ حضور ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین کی حیات میں نیکی، عبادت گزاری، فقر و استغناء، توکل، ایثار اور پاکیزگی کے تمام ایسے فضائل موجود تھے جنہیں اسلامی تصوف کی بنیاد تو قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اصطلاحی معنوں میں ان پر صوفی کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل اسلام میں تصوف کے آثار خلافت راشدہ کے بعد نمایاں ہونا شروع ہوئے، کہا جاتا ہے کہ معاویہ اور یزید کے عہد میں دمشق اور بغداد میں دارالخلافہ کی تبدیلی سے اسلامی افکار پر عجمی اثرات کا دخل شروع ہوا۔ بنو امیہ کے دور آخر میں خصوصاً اسلام کے تہذیبی، ثقافتی علمی اور سیاسی اقدار پر عجمی اثرات کا رنگ پوری طرح آنے لگا اور عباسیہ دور میں تو اس رنگ کے سامنے عربوں کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا۔ (۲۴) اور انہی اثرات کی وجہ سے مسلمانوں میں تصوف کا آغاز ہوا۔ محمد حسن لکھتے ہیں

"تصوف کی ابتداء بعض سیاسی، سماجی اور فکری تقاضوں کا نتیجہ تھی پہلی صدی ہجری تک تصوف کا "اصطلاحی مسلک" واضح اور متعین نہیں ہوا تھا۔ لیکن معاویہ اور یزید کے دور سے بعض رجحانات نمایاں ہونے لگتے ہیں اور خلافت عباسیہ کے دور میں یہ میلانات زیادہ مرتب اور قطعی شکل اختیار کرنے لگتے ہیں۔" (۲۵)

اسلام میں تصوف کے ابتداء کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خلافت کے بعد

ملوکیت قائم ہوئی تو حکمرانوں کی شان و شوکت ظلم و ستم اور جمہوریت کشی کے رد عمل کے طور پر تصوف کا میلان بڑھا۔ ایسے میں صوفیاء کا وہ طبقہ وجود میں آیا جس نے معروضی اور خارجی حالات کی سنگینی کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کی اور روحانیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ گویا محمد کاظم کے الفاظ میں

"اسلام میں تصوف کا ارتقاء حالت خوف سے چل کر حالت عشق اور پھر حالت فنا و اتصال کا سفر ہے۔" (۲۶)

پہلا شخص جسے صوفی کا لقب دیا گیا ابوھاشم عثمان بن شارک کوفی (۲۷) (متوفی ۷۷۶ء/۱۶۰ھ) (۲۸) ہیں اور بعض لوگ جابر بن حیان کوفی کو پہلا صوفی قرار دیتے ہیں (۲۹) یوں اسلام میں تحریک تصوف کا پہلا مرکز کوفہ اور بصرہ ہے جہاں تصوف کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ یہیں سے یہ تحریک دوسرے اسلامی ممالک میں پھیلنا شروع ہوئی۔ اے، جے، آر بری کے مطابق خراسان اس تحریک کا اہم مرکز قرار پایا (۳۰) اس کے بعد بلخ میں، جو اسلام سے پہلے بدھ مت کا اہم مرکز رہا ابراہیم بن ادھم نے تصوف کی روایت کو آگے بڑھایا بعد کے زمانے میں ایران کی سرزمین تصوف کا اہم مرکز بن گئی۔ اس دور اولین کے صوفیا میں حضرت اویس قرنی حضرت محمد واسع، حضرت حسن بصری، رابعہ بصری، داؤد طائی، حضرت حبیب عجمی، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض، حضرت ابرہیم ادھم وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت اویس قرنی کا شمار تابعین اور پہلے دور میں ہوتا ہے۔ شیخ فرید الدین عطار کے مطابق "آپ جلیل القدر تابعین اور چالیس پیشواؤں میں سے ہوئے ہیں (۳۱) "اگرچہ آپ کو حضور کا دیدار کرنے کا موقع نہ ملا لیکن ان کے دل میں حضور ﷺ کی محبت اس قدر شدت سے جاگزیں تھی کہ جب غزوہٗ احد میں حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور حضرت اویس قرنی کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے سارے دانت توڑ لئے۔ ان کے ابتدائی ایام قرن میں گزرے پھر کوفے چلے گئے اور جنگ سفیان میں شہادت پائی۔ حضرت اویس قرنی

کی زندگی میں تصوف کے عملی پہلو نمایاں تھے۔ ان کے پاس لباس تک نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ برگ خرما کی نبیل میں بیٹھے رہتے تھےاور کوڑے سے روٹی کے ٹکڑے چن کر لاتےان کو دھوتے تھے اور کچھ ان میں سے خود کھاتےاور کچھ خیرات کرتے تھے (۳۲) خدا اور رسول کی محبت میں سرشاری کا نتیجہ تھا کہ آپ کی ساری زندگی عارفانہ اندازمیں گزری۔

ابتدائی صوفیاء میں سے حضرت حسن بصری کا نام گرامی خاص طور سے مشہور ہے۔ حضرت حسن بصری (متوفی ۷۲۸ء) مدینہ میں پیدا ہوئے لیکن ان کی زندگی کازیادہ ترحصہ بصرہ میں گزرااس نسبت سے بصری کہلائے۔ انہیں حضرت علیؓ کے قدموں میں بیٹھ کر فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ مارٹن لینگز کے مطابق

"He sat at the feet of Ali "(۳۳)

محمد افضل قریشی اسدی لکھتے ہیں۔

"نسبت حسن بصری در ارادت بہ حضرت علی کرم اللہ وجہ میرسد" (۳۴)

حضرت محمد واسع شریعت اور طریقت دونوں پر کاربند تھے، حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخش) کے بقول "آپ اہل مجاہدہ کو دعوت دینے والے، مشاہدہ میں ہمیشہ قائم اور تبع تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں کوئی بزرگ آپ کے برابر نہ تھا(۳۵) آپ کا حضرت خواجہ حسن بصری کے پاس کافی آنا جانا تھا۔ آپ ضبط نفس کے لئے بہت ریاضت کرتے تھے اور روکھی سوکھی کھا کر گزارا کرتے تھے آپ کو معرفت حاصل ہوئی تو فرمایا کرتے تھے میں جس چیز کو دیکھتا ہوں اس میں حق تعالیٰ کو دیکھتا ہوں۔ (۳۶)

حضرت حبیب عجمی حضرت خواجہ حسن بصری کے مرید تھے انہوں نے علم بھی خواجہ بصری سے حاصل کیا۔ آپ ساری رات عبادت کرتے، آپ کو عجمی اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ قرآن اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے تھے (۳۷) اگرچہ خواجہ حسن بصری کی صحبت میں آنے سے پہلے بےحد مالدار تھے یہاں تک کہ اہل بصرہ کو سود

پر قرض دیا کرتے (۳۸) لیکن ان کے حسن ارادت میں شامل ہونے کے بعد آپ نے سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دیا اور اپنے پاس کچھ نہ چھوڑا۔ دریائے فرات کے کنارے ایک حجرے میں عبادت الہیٰ میں مشغول رہتے تھے۔

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض کا شمار صوفیاء کے پہلے طبقے میں ہوتا ہے۔ فرید الدین عطار کے مطابق "حضرت فضیل بن عیاض از کبار مشائخ بود و عیار طریقت و ستودہ اقران بود مرجع قوموو در ریاضایات و کرامات شافی رفیع و اشت و در ورع و معرفت بسی ہمتا بود" (۳۹) آپ سمرقند (۴۰) میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں آپ قزاقوں کے سردار تھے (۴۱) لیکن جب حضرت فضیل کے دل میں خدا کی محبت پیدا ہوئی اسکے بعد اس کام سے توبہ کر لی اور بصرہ جا کر حضرت خواجہ عبدالواحد سے بیعت ہوئے۔ سفینۃ الاولیاء کے مطابق حضرت فضیل بن عیاض، امام ابو حنیفہ کے شاگرد، ابراہیم بن ادھم، سفیان ثوری اور داؤد طائی کے ہم عصر اور عبدالواحد بن زید کے مرید اور پیرو کار تھے۔ (۴۲) آپ خلفاء کی صحبت پسند نہیں کرتے تھے اور اگر کبھی اتفاق سے ملنا پڑتا تو آپ نہایت جرأت اور دلیری سے ان کی غلطیاں ان کے منہ پر کہہ دیتے آپ کی وفات ماہ محرم (۱۸۷ھ/۸۰۲ء) میں مکہ معظمہ میں اس طرح واقع ہوئی کہ کسی نے "سورہ القارعۃ" پڑھی آپ نے ایک نعرہ لگایا اور جاں بحق ہوگئے۔ (۴۳)

حضرت ابراہیم بن ادھم صوفیاء کے پہلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں آپ کو خرقۂ خلافت حضرت فضیل بن عیاض سے ملا (۴۴) کہا جاتا ہے کہ ایک دن شکار کے لئے گئے ہوئے تھے کہ غیبی آواز آئی

"ابراہیم تجھے اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔"

یہ آواز سن کر ان کے ذہن میں تبدیلی آئی غفلت دور ہوئی طریقت میں مضبوط قدم رکھا (۴۵) آپ کی وفات ملک شام میں ۱۶۱ھ میں ہوئی (۴۶) لیکن "حیات صوفیہ" کے مطابق ان کی وفات ۱۶۶ھ میں ہوئی (۴۷)

حضرت رابعہ بصری رابعہ عدویہ کہلاتی ہیں وہ بے حد عبادت گزار، نیک اور درویش صفت خاتون تھیں، وہ ایک عرصہ تک غلام بھی رہیں، دن کو ہمیشہ روزہ رکھتیں اور اپنے آقا کی خدمت کرتیں اور رات کو خدا کی عبادت میں مشغول ہو جاتیں (۴۸)۔ ہر وقت غم زدہ رہتیں اور روتی رہتیں۔ دوزخ کا ذکر سنتے ہیں بے ہوش ہو جاتی تھیں (۴۹) لوگ انہیں کچھ دیتے تو لینے سے انکار کر دیتیں اور کہا کرتی تھیں کہ مجھے دنیا کی کچھ حاجت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بہت کمزور تھیں۔ طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ اسی برس کی عمر میں پہنچ کر پرانی مشک جیسی ہو گئی تھیں اور چلنے میں گڑ پڑتی تھیں (۵۰) رابعہ عدویہ حضرت خواجہ حسن بصری کی شاگرد تھیں جب تک وہ حسن بصری کی مجلس میں نہ جاتیں آپ وعظ نہ فرماتے الفاظ یہ ہیں "اگر رابہ در مجلس حسن بصری نبودی سخن نگفتی" (۵۱) لیکن مارٹن لینگز کے مطابق "جب حسن بصری فوت ہوئے تو رابعہ بصری کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔" (۵۲)

حضرت داوَد طائی کا شمار طبقہ اول کے صوفیاء میں ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور حضرت فضیل بن عیاض اور ابراہیم ادھم کے ہمعصر تھے۔ کشف المحجوب اور نفحات الانس کے مطابق آپ ابو مسلم حبیب بن سلیم الراعی کے مرید تھے اور انہیں سے اکتساب کیا تھا (۵۳) آپ زھد و ورع میں کبیر الشان تھے، درویشی کا یہ عالم تھا کہ ان کے مرض الموت میں جو لوگ ان کے گھر گئے انہوں نے اس میں ان چیزوں کے سوا کچھ بھی نہ پایا، چھوٹا سا مٹکا جس میں سوکھی روٹیاں تھیں۔ ایک بندھنا اور ایک بڑی سی کچی اینٹ جس سے وہ تکیہ کا کام لیتے تھے اور بس یہ اپنے یاروں سے کہا کرتے تھے کہ دیکھو خبردار تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں اس سے زیادہ اسباب نہ رکھے جس قدر کہ دور جانے والے سوار رکھتے ہیں (۵۴) آپ نے آٹھ ربیع الاول ۱۶۵ھ میں وفات پائی (۵۵)

ان لوگوں نے اپنے طرز فکر کو اجتماعی شکل دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ انفرادی سطح پر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے کیونکہ وہ اپنے ماحول سے دل

برداشتہ تھے اس لئے دنیا کے جھگڑوں کو چھوڑ کر عبادت میں سکون ڈھونڈنے لگے۔ اس دور کے صوفیا کی تصنیفات بہت ہی کمیاب ہیں البتہ عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ/۷۹۷ء) نے "کتاب الزھد" کے نام سے رسالہ تصنیف کیا جس میں وہ احادیث جمع کیں جن میں زھد کی تلقین کی گئی تھی اسی طرح حضرت سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ/۷۷۷ء) کے ساتھ یہ کتابیں منسوب کی جاتی ہیں (۱) الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف (۲) الجامع الصغیر (۳) کتاب الفرائض (۴) کتاب التفسیر (۵) آپ ۹۷ھ میں پیدا ہوئے، لوگوں نے ان کا نام حدیث کے "امیرالمومنین" رکھا تھا۔ ۱۵۵ھ میں کوفہ سے بصرہ آئے پھر باقی زندگی یہیں بسر کی آپ بہت بڑے عالم اور زاہد تھے۔

صوفیاء کا دوسرا گروہ اس وقت سامنے آیا جب یونانی اور عقلی علوم کی بدولت اسلامی معاشرے میں بھی خود افروزی کی شمع روشن ہوئی۔ فتحِ مصر کے بعد یونانی علوم سے مسلمانوں کا تعارف ہوا بنو امیہ اور خلافت عباسیہ کے عہد میں مختلف علوم و فنون کے تراجم عربی میں کئے گئے فلسفے کی طرف خاص طور پر دھیان دیا گیا۔ ہارون رشید کے زمانے میں بیت الحکمت قائم کیا گیا جس کے لئے مختلف ممالک سے عقلی علوم کی کتابیں حاصل کی گئیں ماموں رشید کے زمانے میں مناظرے کا اہتمام کیا گیا۔ فلسفیوں کا زور پیدا ہوا لوگوں کے اعتقادات میں تشکیک کا پہلو شامل ہوا۔ عقلیت کی وجہ سے ذات و صفات، دوزخ و جنت، خلقِ قرآن، معجزات، معراج وغیرہ کے بارے میں مباحث کھڑی ہوئیں۔ حتیٰ کہ قرآنی آیات کی عقلی توجیہات کی جانے لگیں ایسے دور میں صوفیاء کا وہ گروہ پیدا ہوا۔ جس نے عقل سے بیزاری کا اظہار کیا اور عقل کے مقابلے میں عشق اور جذبے پر زور دیا۔ ان صوفیاء نے عقل اور فلسفے کے پیدا کردہ ذہنی انتشار اور تشکیک کو قلبی کیفیات اور جذبِ دروں کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کی عشقِ الہیٰ کو فضیلت حاصل ہوئی۔ اس دور کے صوفیاء میں حضرت ابو سعید احمد بن عیسیٰ الخراز، حضرت بایزید بسطامی،

حضرت جنید بغدادی، منصور حلاج ابو عبداللہ حارث بن المحاسی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت معروف کرخی، القنطری اور حضرت سری سقطی قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابو محفوظ معروف کرخی (متوفی ۲۰۱ھ۔ ۲۰۰ھ) کرخیوں کے سلسلے کے بانی سمجھے جاتے ہیں (۵۸) آپ زھد و اتقاء اور پرہیز گاری میں بے مثال تھے۔ انہوں نے استغراق پر زور دیا۔ (۵۹) حضرت داوٗد طائی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ امام علی موسیٰ رضا کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے (۶۰) ان کا مزار بغداد میں واقع ہے اور مرجع خاص و عام ہے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے اور ان کا واسطہ دے کر باران رحمت کی دعا کی جاتی ہے (۶۱) آپ نے خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں ۲۰۰ھ میں وفات پائی (۶۲)

حضرت بایزید بسطامی ۱۶۱ھ/۷۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ مذہباً آتش پرست تھے۔ لیکن مشرف بہ اسلام ہوئے۔ شیخ فرید الدین عطار ان کا شمار اکابر مشائخ میں کرتے ہیں حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ "خواجہ بایزید ہمارے درمیان اس طرح ہیں جیسے ملائکہ کے درمیان حضرت جبرئیل "پھر فرمایا" تمام سالکین راہ خدا کے مقامات کی جو انتہا ہے وہ خواجہ بایزید کی ابتداء ہے (۶۴)" فرید الدین عطار بایزید بسطامی کے متعلق لکھتے ہیں "آتش محبت میں غرق تھے اور تن کو ہمیشہ مجاہدہ اور دل کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے (۶۵) آپ خلیفہ متوکل کے عہد میں ۲۳۴ھ میں فوت ہوئے (۶۶)

ابوبکر بن جحدر شبلی کے آباوٗ اجداد خراسان کے رہنے والے تھے مگر وہ بغداد میں پیدا ہوئے اور سن بلوغ تک وہیں مقیم رہے (۶۷) وہ ابتداء میں خلیفہ کے مہتمم امور خانگی تھے لیکن بعد ازاں نساج کے مکان پر ایک اجتماع کے دوران میں آپ نے تصوف اختیار کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ سرکاری ملازمت سے دستبردار ہو کر حضرت جنید کے حلقہٗ اطاعت میں داخل ہو گئے۔ (۶۸) امام مالک کے پیروکار اور حضرت جنید بغدادی کے شاگرد تھے انہوں نے بہت سی حدیثیں بھی جمع کیں۔

عبادت اور ریاضت بہت کرتے تھے۔ ستاسی (۸۷) سال کی عمر پائی، ۳۳۳ھ میں فوت ہوئے اور بغداد میں مقبرۂ خیزران میں دفن ہوئے (۶۹)

ابو عبداللہ حارث بن اسد المحاسبی ۱۶۵ھ کے لگ بھگ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ وہ عرب تھے لیکن بعد میں بغداد آئے اور یہیں قیام کیا (۷۰) "طبقات الاولیاء" کے مطابق یہ بزرگان صوفیہ میں سے علوم ظاہری و علوم معاملات کے عالم تھے۔ ان کی تصنیفات مشہور ہیں (۷۱) پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے مطابق ان کے تصانیف میں سے صرف سترہ کتابوں کے قلمی نسخے دنیا میں موجود ہیں۔ ان میں سے چار قلمی نسخے اب تک زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں (۱) کتاب الرعایہ فی التصوف (۲) من اناب الی اللہ (۳) پارۂ از کتاب الصبر والرضا (۴) کتاب التوھم (۷۲) سری سقطی اور جنید بغدادی کے دوست تھے۔ ۲۴۳ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

حضرت سری سقطی کی پیدائش ۱۵۵ھ میں ہوئی اور انہوں نے سات آٹھ عباسی خلفاء کا زمانہ پایا (۷۳) سقطیوں کا سلسلہ آپ سے منسوب ہے (۷۴) آپ حضرت جنید کے ماموں اور شیخ تھے۔ آپ نے حضرت معروف کرخی کی صحبت میں وقت گزارا۔ آپ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے بغداد میں علم توحید پر گفتگو کی۔ علامہ خلیق احمد نظامی کے مطابق انہوں نے توحید کا وہ نظریہ پیش کیا۔ جس نے بعد کو وحدت الوجود کی شکل اختیار کر لی (۷۵) فرید الدین عطار نے انہیں "امام اھل تصوف" "کوہ حلم و ثبات" اور "خزانۂ مروت و شفقت" کہہ کر پکارا ہے۔ (۷۶) انہوں نے اٹھانوے برس کی عمر پائی۔ حضرت جنید کا قول ہے کہ "میں نے سقطی سے زیادہ عبادت گزار اور کوئی نہیں دیکھا۔ اپنی تمام اٹھانوے برس کی عمر میں سوائے مرض الموت کے ایام کے، وہ گویا یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ سونا اور آرام کرنا کیا چیز ہوتی ہے۔" (۷۷) "حیات صوفیہ" کے مطابق آپکی وفات ۲۵۳ھ (۷۸) میں، قشیری (۷۹) کے نزدیک ۲۵۷ھ میں اور ابن عاکر (۸۰) کے خیال

میں ۲۵۱ھ میں ہوئی۔

شیخ ابوبکر محمد ابن مسلم عبدالرحمان القنطری (متوفی ۲۶۰ھ) (۸۱) بغداد کے رہنے والے تھے۔ آپ اپنے تقویٰ اور درویشانہ زندگی کی بدولت مشہور تھے۔ آپ خلوت پسند، کم گو اور کافی نادار تھے۔ سفیان ثوری کا مجموعۂ احادیث ایک نہایت ہی قلیل معاوضہ پر نقل کر کے اپنی گزر بسر کا سامان کرتے تھے۔

حضرت ابوالفیض ذوالنون مصری کا اصل نام ثوبان بن ابراہیم (۸۲) تھا۔ ان کے والد لوبہ کے رہنے والے تھے لیکن ذوالنون مصری نے جیزہ میں وفات پائی۔ کشف المحجوب کے مطابق "آپ تحقیق و کرامت کی کشتی شرف ولایت کے خزانہ ہیں اور بزرگ ترین تبع تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔" (۸۳) آپ امام مالک انس کے شاگرد اور اسرافیل کے مرید تھے جو اہل مغرب کے پیرو تھے آپ کا مسلک ملامتیہ تھا۔ آپ بڑے صاحب ریاضت اور کرامت تھے (۸۴) انہوں نے اپنی تصانیف میں حال و مقام پر بحث کی (۸۵) آپ کی وفات ۲۴۵ھ میں ہوئی۔

حضرت ابوسعید ابن عیسیٰ الخراز (متوفی ۲۸۶ھ) (۸۶) تیسری صدی ہجری کے اہم صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا وطن بغداد تھا۔ ذوالنون مصری اور سری سقطی جیسے بزرگ صوفیا کی صحبت نصیب ہوئیں طبقات الاولیاء میں درج ہے کہ سب سے پہلے جس نے فنا و بقا کے علم میں زبان کھولی وہ ابوسعید خراز تھے (۸۷) "تذکرۃ الاولیاء" کے مطابق "اور رالسان التصوف گفتہ اند و این لقب از جہت آں یافت کہ دریں علم کس را زبان حقیقت چوں او نبود۔" (۸۸) ان کی کتاب "کتاب الصدق" بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی حارث المحاسبی کی "کتاب الرعایہ الحقوق اللہ" کے بعد تصوف کی قدیم ترین کتاب ہے جو مطبوعہ صورت میں دستیاب ہو سکتی ہے (۸۹) یوں فرید الدین عطار کے بقول انہوں نے تصوف کے علوم پر چار سو کتابیں تصنیف کیں (۹۰)

حضرت جنید بغدادی، حضرت سقطی کے بھانجے تھے۔ انہی کے صوفیانہ

خیالات سے متاثر ہوئے پھر حضرت شیخ معروف کرخی کی صحبت میں رہ کر تصوف کے اسرار و رموز سیکھے اور بعد میں حارث المحاسبی کی صحبت میں دس سال گزارے اور ان سے خوب استفادہ کیا۔ ان کی تصنیف میں سے کتاب المثال القرآن، کتاب رسائل، شیورح شطحیات ابی یزید البسطامی اور تصحیح الارادہ" شامل ہیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے الفاظ میں

"حضرت جنید بغدادی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کو اسلامی لباس پہنایا اور شریعت اور طریقت کو ہم آہنگ کر دیا۔ انہیں بجا طور پر سید الطائفہ کا لقب دیا گیا" (۹۱)

یہاں تک کہ ان کے شیخ حضرت سری سقطی نے انہیں اپنے اوپر فضیلت دی (۹۲) حضرت جنید بغداد کی تاریخ پیدائش حتمی طور پر معلوم نہیں البتہ زیادہ قرین قیاس سن ۲۱۵ھ ہے (۹۳) ان کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی۔

حضرت جنید بغدادی کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت ابوالمغیث الحسین ابن مصور الحلاج کو حاصل ہوئی جن کی شخصیت بڑی متنازعہ فی رہی ہے لیکن انکی شخصیت کی دلکشی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر زبان کے ادب و شعر میں ان کا ذکر موجود ہے۔ حسین حلاج سید سلیمان ندوی کے مطابق ۲۴۴ھ (۵۹-۸۵۸ء) میں بیضا (فارس) نواح طور میں پیدا ہوئے (۹۴) سید سلیمان ندوی کے مضمون "حسین بن منصور حلاج کی تاریخی شخصیت" کے مطابق حسین بن منصور حلاج نسلاً ایرانی تھا۔ اس کا دادا پارسی تھا، سب سے پہلے اس کا باپ اسلام لایا۔ فارس کے شہر بیضا میں پیدا ہوا، واسط میں جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے۔ نشوو نما پائی بغداد میں بھی اس کی آمدورفت ثابت ہے (۹۵) منصور حلاج کے خلاف یہ الزام تھا کہ وہ "اناالحق" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ علماء نے ان کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا۔ قتل سے پہلے انہیں جیل میں رکھا گیا۔ آخر کار خلیفہ کے حکم سے انہیں ۳۰۹ھ میں قتل کر دیا گیا۔ ان کی تصنیف "کتاب الطواسین" خاصی مشہور ہے

اسے پروفیسر لوئی ماسینون نے ۱۹۱۳ء میں پیرس سے شائع کیا۔

اسلامی تصوف کا تیسرا عہد وہ ہے جب مسلمانوں کی مسلسل فتوحات نے بہت سے ممالک کو ان کے زیر نگیں کر دیا دوسری اقوام کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوئے جن کو حل کرنے کے لئے اجتہاد فکر کی ضرورت تھی چنانچہ اسی دور میں فقہ کی ترتیب و تدوین کا کام شروع ہوا۔ امام ابو حنیفہ (۷۹۹ھ۔ ۶۹۹ء) امام مالک (۷۱۵ء تا ۷۸۵ء) امام شافعی (۷۶۶ء تا ۸۲۰ء) اور امام احمد بن حنبل (۷۸۰ء تا ۸۵۵ء) جیسے فقہا نے اسلامی فقہ ترتیب دے کر اس عہد کے دینی تقاضوں کو فوراً پورا کیا لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ اجتہاد کا راستہ بند کر دیا گیا۔ لوگوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا خلیق احمد نظامی کے بقول۔

"فقہی مسائل میں حیلہ بازی کا دروازہ کھول دیا گیا ہر شرعی حکم سے بچنے کے لئے حیلے اور ہر قید شرعی سے نکل بھاگنے کے لئے بہانے تراشے جانے لگے، فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل باب "باب الحیل" کا اضافہ کیا گیا۔۔۔ ان حیلہ بازیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن جو مذہب کا اصلی مقصد تھا بالکل بھلا دیا گیا اور مذہبی روح بالکل مردہ ہو کر رہ گئی۔" (۹۶)

ان حالات میں صوفیاء کا وہ طبقہ سامنے آیا جس نے مذہب کی حقیقی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور اخلاق کو سنوارنے اور باطن کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ دی ان صوفیاء میں شیخ ابو سعید ابن العربی (المتوفی ۹۵۲ء) شیخ ابو محمد الخلدی (متوفی ۹۵۹ء) شیخ ابو نصر السراج (متوفی ۳۷۸ھ/۹۸۸ء) شیخ ابوطالب مکی (متوفی ۳۸۶ھ/۹۹۶ء) شیخ ابو بکر (متوفی ۱۰۰۰ء) اور ابو عبدالرحمان السلمی (متوفی ۴۱۲ھ/ ۱۰۲۱ء) خاص طور پر اہم ہیں۔

حضرت ابو سعید ابن العربی پیدا تو بصرے میں ہوئے لیکن بعد میں مکہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہیں ۹۴ سال کی عمر میں ۳۴۱ھ میں انتقال کیا

(۹۷) آپ ممتاز صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ محدث اور فقیہہ بی تھے۔ حضرت جنید بغدادی کے پیروکار اور عقیدت مند تھے۔ کتاب جنید بغداد میں لکھا ہے کہ وہ حضرت جنید پرسند تھے اور انکی روحانی قیادت کا اعتراف بہت احسان مندی کے جذبات کے ساتھ کرتے تھے (۹۸) آپ کی تصنیف "طبقات النساک" قدیم صوفیا کے سوانحی حالات اور افکار پر مبنی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب نایاب ہے لیکن اس کے اقتباسات دوسری کتابوں میں مل جاتے ہیں۔

شیخ ابو محمد الخلدی کا پورا نام ابو محمد جعفر ابن نصیر ابن القاسم الخواص البغدادی الخلدی تھا۔ ۲۵۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ حضرت جنیدی کی صحبت میں رہے اور انہی کے مریدوں میں شمار ہوتے تھے (۹۹) انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز بطور ایک محدث کے کیا لیکن بعد میں تصوف کی طرف مائل ہو گئے۔ انہوں نے احادیث کی چھان بین اور انتخاب کرنے کا ہنر سیکھا تھا۔ (۱۰۰) مخدوم علی ھجویری کے بقول "آپ علم تصوف کے فنون میں بہت بڑے فاضل اور مشائخ کے کلام کے حافظ اور ان کے حقوق کی رعایت کرنیوالے تھے۔ (۱۰۱) ان کی تصنیف "حکایت الاولیاء" نایاب ہے لیکن اس کے اقتباسات دوسری کتابوں میں مل جاتے ہیں تاہم "تاریخ بغداد" کے مطابق

"دنیا میں عجائبات تین ہیں شبلی کے اشارات، المرتعش کے نکات اور جعفر الخلدی کی حکایات" (۱۰۲)

الخلدی نے ۳۴۸ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ ابوالنصر سراج کا وطن طوس تھا۔ لقب "طاؤس الفقراء" تھا (۱۰۳) پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے مطابق پہلی مرتبہ ان کا ذکر "فرید الدین عطار کی تصنیف تذکرہ الاولیاء میں کیا گیا" (۱۰۴) پھر مولانا جامی نے "نفحات الانس" میں ان کا ذکر شامل کیا (۱۰۵) عبدالماجد دریا باری نے مولانا جامی کی "نفحات الانس" کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوالنصر سراج نے تصوف پر

متعدد کتابیں تصنیف کیں (۱۰۶) لیکن آج بجز "کتاب اللمع" کے اور کوئی بظاہر موجود نہیں بلکہ ان کے نام تک بھی معلوم نہیں البتہ ان کی یہ تصنیف بے حد مقبول ہوئی۔ اسے پروفیسر آر۔ اے۔ نکلسن نے ۱۹۱۴ء میں مرتب کر کے شائع کیا (۱۰۷) یہ کتاب تصوف کے مسائل اور تصورات پر مشتمل ہے اور تصوف کے علم پر مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

ابوطالب مکی مکہ میں پیدا ہوئے بعد میں بصرہ گئے لیکن پھر بغداد منتقل ہوئے اور وہیں ۳۸۶ھ میں وفات پائی (۱۰۸) آپ قرآن اور حدیث کے جید عالم تھے۔ ان کی تصنیف "قوت القلوب" میں عبادات کے باطنی پہلو پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف حقیقتاً قرآن وحدیث کی پیداوار ہے (۱۰۹)

شیخ ابوبکر ابن ابی اسحاق محمد ابن ابراہیم ابن یعقوب البخاری الکلابازی بخارا کے ایک محلے کلاباز میں پیدا ہوئے۔ ان کے سن وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یوسف سلیم چشتی نے ۳۸۵ھ لکھا ہے (۱۱۰) ڈاکٹر پیر محمد حسن نے انڈیا آفس "Delhi Arabic" کے مخطوطہ ۱۸۴۶ء کے حوالے سے ۳۸۰ھ اور ۳۸۴ھ اور ۳۸۵ھ درج کیا ہے (۱۱۱) دارلشکوہ نے بھی ۳۸۵ھ (۹۹۵ء) لکھاہے (۱۱۲)

شیخ ابوبکر کی تصانیف میں کتاب التعرف کے علاوہ "بحرالفوائد فی معانی الاخبار" بھی شامل ہے جو ۲۲۲ منتخب احادیث کی شرح پر مشتمل ہے۔ دارصل شیخ ابوبکر کی تمام تر شہرت کا دارو مدار ان کی تصنیف "التعارف المذہب اہل تصوف" پر ہے۔ یہ کتاب تصوف کی حمایت میں لکھی گئی ہے اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر اے جے آر بری نے "The Doctrine of the Surism" کے نام سے کیا اردو میں اسے پیر محمد حسن نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب علم تصوف پر معروف اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح ابو

عبدالرحمان السلمی کی تصنیف "طبقات الصوفین" مشائخ کے حالات پر مبنی ہے۔ یہ کتاب ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے بعد میں شیخ عبداللہ انصاری اور مولاناجامی نے اس کتاب سے رہنمائی حاصل کی۔

یہ دور دسویں صدی عیسوی تک کا زمانہ ہے جس میں تصوف کی روایت کو استحکام بھی حاصل ہوااور اس کو ایک تحریک کی صورت بھی ملی۔ تصوف کی اصطلاحات وضع ہونےکے علاوہ کچھ کتابیں بھی خلاصہٗ شہود پر آئیں جن میں مختلف مشائخ کے سوانحی حالات اور ان کی تعلیمات کاذکر بھی تھااور تصوف کےموضوعات پر بھی مباحث شامل تھیں۔ اس دور میں صوفیاء کے مختلف مسالک اور گروہ وجود میں آئے۔ منصور حلاج کے حوالے سے ادب وشعر میں تصوف کی آمیزش شروع ہوگئی اگرچہ یہ سب کچھ ابھی پوری وضاحت کے ساتھ سامنے نہیں آیا تھا تاہم اس دور تک کچھ ابتدائی پیش رفت ضرور ہوئی اور صوفیانہ مسلک مسلمانوں کی عمرانی زندگی کا ایک حصہ بن گیا اس سے آگے آنے والے دور میں تصوف کو خاص نشوونما حاصل ہوئی۔ یہ دور گیارہویں صدی عیسوی کا ہے۔

گیارہویں صدی (عیسوی) کے مشہور صوفیاء میں شیخ ابو نعیم اصفہانی (التوفی ۴۳۰ھ) شیخ ابوالقاسم قشیری (متوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) شیخ علی ہجویری (متوفی ۴۷۲ھ/۱۰۷۹ء) شیخ عبداللہ انصاری (متوفی ۱۰۸۸ء) اور شیخ ابو سعید ابی الخیر (متوفی ۳۵۷ھ/۹۶۷ء) شامل ہیں ان بزرگوں نے متصوفانہ خیالات کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ تصوف کو عوامی تحریک بنانے کی کوشش کی تاکہ لوگ پاکیزہ زندگی کی طرف مائل ہوں اس دور میں شاعری بھی باقاعدہ طور پر تصوف کی چاشنی شامل ہوئی۔ متصوفانہ اصطلاحات کی تشریح و توضیح بھی اس دور میں کی گئی اور فلسفے کی فکری اور اصولی تدوین و ترتیب کا کام بھی اس عہد میں شروع ہوا۔ اس زمانے میں اس خیال کی ترویج بھی کی گئی کہ تصوف اور شریعت و سنت میں کوئی بُعد نہیں ہے اسی طرح وہ علماء جو تصوف کی طرف رجحان نہیں رکھتے تھے از خود اس کی

طرف مائل ہو گئے۔

شیخ ابو سعید ابی الخیر ۳۵۷ھ/۹۶۷ء میں خراسان کے نواح میں پیدا ہوئے۔

"مرو میں ابو عبداللہ حضری نے تحصیل فقہ کی اور شیخ ابوالفضل حسن سرخسی، ابو العباس احمد قصاب اور ابوالحسن خرقانی سے اکتساب فیض کیا اور حضرت ابوعبدالرحمان سلمیٰ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔۔۔" (۱۱۳)

صاحب نفحات کے مطابق آپ سلطان وقت، جمال اہل طریقت اور شرف القلوب تھے۔ تمام مشائخِ عصر آپ کے مسخر اور گرویدہ تھے (۱۱۴) وہ پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے اپنے کلام بالخصوص (۱۱۵) رباعیات کے ذریعے صوفیانہ خیالات کی ترویج کی۔ گویا ادب میں تصوف کی چاشنی پیدا کرنےوالے پہلے صوفی شیخ ابوسعید ابی الخیر ہیں۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں۔

"سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر نے ادا کیے۔" (۱۱۶)

ان کے اشعار میں عشق حقیقی کی لذت بھر جاتی ہے۔انہوں نے ۴۴۰ھ (۱۰۶۹ء) کو ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

شیخ ابوالقاسم قشیری ۳۷۶ھ میں نیشاپور کے ایک موضوع استوا میں پیدا ہوئے (۱۱۷) پہلے شیخ ابوبکر محمد بن ابی بکر الطوسی (متوفی ۴۰۵ھ) سے علم فقہ اور پھر امام ابوبکر ابن فورک (متوفی ۴۰۶ھ) سے علم الاصول سیکھا اور دونوں علوم میں درک حاصل کیا۔ بعد میں ابواسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائینی (المتوفی ۴۱۸ھ) کے مدرسے سے تحصیل کی۔ ان کے شیخ طریقت ابو علی الحسن بن علی الدقاق تھے۔ ۴۳۷ھ میں نیشاپور میں حدیث کا درس شروع کیا (۱۱۸)

عبدالماجد دریا باری نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حوالے سے جو تصانیف درج کی ہیں انکی تعداد دس ہے۔ ان میں رسالہ القشیریہ، نحوالقلوب، لطائف

الاشارات، کتاب الجواہر، کتاب المناجات، کتاب آداب الصوفیہ، کتاب عیین الاجوبۃ، کتاب المنتہی، ایک عظیم الشان تفسیر القرآن اور کتاب احکام السماع شامل ہیں (۱۱۹) لیکن آپ کی سب سے اہم تصنیف جس پر انکی تمام تر شہرت کا دارومدار ہے۔ "رسالہ قشیریۃ" ہے جو تصوف کے ذیل میں ایک نہایت مستند اور اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ رسالہ ۴۳۷ھ میں لکھا گیا۔ اس تصنیف میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا ہے کہ تصوف شریعت سے الگ نہیں ہے اس وجہ سے تصوف کی مقبولیت اور ترقی میں اضافہ ہوا۔ شیخ ابوالقاسم قشیری ہی کی بدولت تصوف کی بہت سی اصطلاحات وضع ہوئیں۔ انہوں نے قرآن حکیم کی شرح "لطائف الارشارات" کے نام سے کی۔ انکی تاریخ وفات ۱۶ ربیع الثانی ۴۶۵ھ ہے (۱۲۰)

شیخ علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش کا وطن غزنی (افغانستان) تھا جہاں ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ء) میں سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے (۱۲۱) ان کا نسب نامہ نو واسطوں سے جناب علی کرم اللہ وجہ سے جا ملتا ہے۔ (۱۲۲) ہجویر اور جلاب میں ان کا قیام رہا۔ پھر ہندوستان آ کر لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ لاہور میں ان کا ورود ۴۳۱ھ میں ہوا (۱۲۳) حضرت ہجویری نے نو کتابیں تصنیف کیں جن کے نام یہ ہیں (۱) کشف المحجوب (۲) کشف الاسرار (۳) منہاج الدین (۴) دیوان علی ہجویری (۵) الرعایہ الحقوق اللہ (۶) کتاب الفناء البقا (۷) اسرار الحزق اوالمؤنات (۸) بحر القلوب (۹) کتاب البیان لاھل العیان --- لیکن اس وقت سوائے "کشف المحجوب" کے کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اس کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ شیخ محمد اکرام کے بقول۔

"فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے اس کی تاریخی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔" (۱۲۴)

قاضی جاوید کے بقول

"سید علی ہجوری کی اہمیت پنجاب میں تخلیقی صوفیانہ روایت کی داغ بیل ڈالنے والے کی حیثیت سے ہے۔" (۱۲۵)

حضرت ہجویری کے سال وفات کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ عام طور پر ۴۶۵ھ (۱۲۶) بتایا جاتا ہے لیکن آقائی عبدالحیٔ حبیب (۱۲۷) اور خالد محمود (۱۲۸) نے بہ تحقیق ان کا سال وصال ۴۸۱ھ (۸۹-۱۰۸۸ء) ثابت کیا ہے۔

شیخ عبداللہ انصاری ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے ان کا لقب شیخ الاسلام ہے (۱۲۹) شیخ عبداللہ انصاری اپنے زمانے کے مشہور محدث اور صوفی تھے۔ ان کی تصنیف شدہ کتاب میں منازل السائرین، طبقات الصوفیہ، کتاب جامع الکلام اور مناجات مشہور ہیں۔ منازل السائرین عربی زبان میں مسائل تصوف پر اہم کتاب ہے، جس کی بے شمار شرحیں لکھی جا چکی ہیں (۱۳۰) کتاب "طبقات الاصوفیہ" عبدالرحمان سلمیٰ کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ کتاب جامع الکلام میں دینی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ "مناجات" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے پرتاثیر مناجات پر مشتمل ہے۔ آپ نے ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء میں وفات پائی۔

شیخ ابو نعیم اصفہانی ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۳۰ھ میں اصفہان میں وفات پائی (۱۳۱) علم حدیث کے ماہر تھے ان کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" دس جلدوں پر مشتمل ہے جس میں ہزاروں صوفیاء کے حالات و واقعات قلم بند کئے گئے ہیں، بعد کے زمانے میں حضرت امام ابن جوزی نے اس کا خلاصہ پانچ جلدوں میں مرتب کیا (۱۳۲)

بارھویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کے سیاسی حالات زبوں حالی کا شکار رہے۔ اخلاقی زوال عمومی رنگ اختیار کر چکا تھا۔ خلافت بغداد بھی بحران کا شکار تھی۔ مسلمان سلاطین کے کردار قابل اصلاح تھے ایسے زوال آمادہ دور میں صوفیاء میدان عمل میں اترے اور انہوں نے اصلاح احوال کی کوشش کی اس وجہ سے

بارھویں صدی عیسوی سے تصوف کا وہ دور شروع ہوا جب تصوف کا فلسفہ باقاعدہ طور پر ترتیب دیا گیا اور اسے ایک مستقل مکتب فکر کی حیثیت حاصل ہوئی۔ تصوف کی مروجہ اصطلاحات کے علاوہ بھی نئی اصطلاحات وجود میں آئیں صوفیانہ تعلیم کو مذہبی حکمت، وجدان اور نفسیات کے ساتھ مربوط کیا گیا۔ اس دور کے اہم صوفیاء میں امام غزالی، شیخ محی الدین، عبدالقادر جیلانی، شیخ نجیب الدین، عبدالقادر سہروردی، شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ شہاب الدین سہروردی قابل ذکر ہیں۔ ان صوفیا کے علاوہ اس صدی میں کچھ ایسے صوفی شعراء بھی پیدا ہوئے جنہوں نے شاعری میں تصوف کے مسائل کو موضوع بنایا۔ ان صوفی شعراء میں حکیم سنائی، خواجہ فرید الدین عطار، نظامی گنجوی زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت ابوحامد محمد بن محمد بن احمد غزالی ۴۵۰ھ (۱۰۵۹- ۱۰۵۸ء) طوس میں پیدا ہوئے (۱۳۳) امام غزالی (التوفی ۱۱۱۱ء) (۱۳۴) نے پوری زندگی صوفیانہ رنگ میں گزاری ان کی عظمت کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ

"حضرات صوفیا اور فلاسفہ اسلام کے سرگروہ مولانا روم، شیخ الاشراق ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ ان بزرگوں کی تصنیفات در حقیقت و دراصل امام غزالی کے خیالات کا آئینہ ہیں۔" (۱۳۵)

مارٹن لنگز کے مطابق یہ امام غزالی تھے جنہوں نے سب سے بڑھ کر تصوف کی عمومی پہچان کے لئے راستہ ہموار کیا (۱۳۶) امام غزالی نے تصوف کا کماحقہ مطالعہ کیا اور اپنے تجربات اور خیالات کا نچوڑ "احیاء العلوم الدین" میں پیش کیا اس کتاب میں انہوں نے سلاطین کو ہدف تنقید بنایا اور پھر ان کو ان کے مذہبی اور دینی فرائض سے آگاہ کرنے کی خاطر "نصیحت الملوک" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ امام صاحب چونکہ خود فلسفے میں درک رکھتے تھے اس لئے اپنی تصنیفات میں انہوں نے جو اسلوب اختیار کیا وہ مدلل بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔ حضرت امام غزالی نے

۵۰۵ھ/۱۲/۱۱۱۱ء میں طوس ہی میں وفات پائی۔

حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی ولادت باختلاف روایت ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ میں ہوئی۔ مولد نواح طبرستان میں قصبہ جیلان ہے (۱۳۷) آپ نے عملی حیثیت سے تصوف کی تحریک کو آگے بڑھایا، مارٹن لنگز کے بقول یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت علی کی وفات کے بعد کسی بھی شخص نے اتنے دیرپا، روحانی اثرات نہیں چھوڑے ہوں گے جتنے حضرت عبدالقادر جیلانی نے (۱۳۸) آپ کو سلطان الصوفیاء کے نام سے پکارا جاتا تھا (۱۳۹) آپ نے وعظ و نصیحت اور اخلاقی تعلیم کے ذریعے لوگوں میں تصوف کو مقبول بنایا۔ ان کے وعظوں پر مشتمل دو کتابیں الفتح الربانی اور فتوح الغیب (۱۴۰) ملتی ہیں یہ دونوں کتابیں مصر میں شائع ہوئیں (۱۴۱) ان کے علاوہ ان کی دو اور معروف کتابیں غنیۃ الطالبین اور الفیوضات الربانیہ ہیں، اول الذکر کتاب میں اسلام کے کم و بیش تہتر (۷۳) فرقوں کا ذکر کیا ہے اور انہی کے حوالے سے بارھویں صدی کے اسلامی ماحول کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ آپ کی وفات ۵۶۱ھ (۱۱۶۶ء) میں ہوئی۔

اس صدی کے ایک اور مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقادر السہروردی (المتوفی ۵۶۳ھ) امام غزالی اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے فیض یافتہ تھے۔ ان کا نسب حضرت ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔ (۱۴۲) آپ نے عملی طور پر تصوف کی ترویج کی اور لوگوں کے اخلاق و کردار کو سنوارنے میں بڑا حصہ لیا۔ مشائخ چشت کے مطابق "دجلہ کے مغربی کنارے پر آپ کی خانقاہ تھی اس سے متصل ایک مدرسہ بھی بنوا دیا تھا۔ ایک طرف علوم ظاہری کا ہنگامہ تھا دوسری طرف تصفیہ قلوب و تزکیہ نفوس کا کام جاری تھا۔" (۱۴۳)

حیات صوفیہ (تلخیص نفحات الانس) میں لکھا ہے کہ آپ کی تصنیفات اور تالیفات بے شمار تھیں۔ لیکن صرف ایک کتاب کا نام درج ہے اور وہ ہے "آداب المریدین" (۱۴۴)

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے مؤسس اور بانی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سمجھے جاتے ہیں (۱۴۵) آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے لیکن ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے مراۃ الاسرار کے قلمی نسخے رام پور لائبریری (برٹش میوزیم) کے حوالے سے ۵۳۰ھ درج کی ہے۔(۱۴۶) آپ نے مختلف ممالک کی سیاحت کی۔ جن میں بغداد، حرمین شریف، شام، کرمان، بخارا، بدخشاں، دمشق، اصفہان وغیرہ شامل ہیں، ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) میں اجمیر پہنچے، اس وقت راجہ پرتھوی راج اجمیر کا فرمان روا تھا (۱۴۷) حضرت معین الدین کی بدولت ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ وسیع پیمانے پر پھیلا (۱۴۸) آپ دو شنبہ ۶ رجب ۶۳۲ھ (۳۵-۱۲۳۴ء) کو اجمیر میں فوت ہوئے (۱۴۹)

حضرت شیخ شہاب الدین سہرودی ۵۳۳ھ (۱۱۴۴ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد سے تھے اور تصوف میں ان کی نسبت اپنے چچا ابوالنجیب سہروردی سے تھی (۱۵۰) آپ کی بہت سی تصنیفات میں سے سب سے اہم "عوارف المعارف" ہے (۱۵۱) جو تصوف کی نہایت اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ سہروردیہ سلسلے کے علاوہ دوسرے سلسلوں سے وابستہ لوگوں نے بھی اس کتاب کے اثرات قبول کئے۔ اس کتاب میں قرآن وسنت کے حوالے سے تصوف کے تصورات اور خیالات بیان کئے گئے ہیں۔ آپ کی وفات بروز چہار شنبہ یکم ماہ محرم ۶۳۲ھ خلیفہ مستنصر کے عہد میں ہوئی (۱۵۲)

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی (۱۱۶۵ء-۱۲۴۰ء) بارھویں صدی کی عظیم شخصیت ہیں، مارٹن لنگز نے انہیں امام غزالی، عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتی اور جلال الدین رومی جیسے عظیم صوفیا کی صف میں شمار کیا ہے (۱۵۳) ان کی تصنیفات پانچ سو کے قریب ہیں، لیکن ان سب میں سے "فصوص الحکم" اور فتوحات مکیہ" کو لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ ابن عربی کے تصورات میں سب سے زیادہ اہمیت وحدت الوجود کے نظریے کو حاصل ہوئی ابن عربی نے اس مسئلے

پر جتنی تفصیل سے لکھا ہے۔ اتنا شاید ہی کسی نے آج تک لکھا ہو گا۔ مراۃ الاسرار کے مصنف نے صاحب نفحات کے حوالے سے لکھا ہے کہ "شیخ اکبر وحدت الوجود کے قائلین کے سردار ہیں۔" (۱۵۵) وحدت الوجود کی تفہیم کے سلسلے میں آج بھی "فصوص الحکم" سب سے بڑا ماخذ ہے، اس نظریے نے نہ صرف لوگوں کے اخلاق اور زندگی کے بارے میں ان کے رویوں کو متاثر کیا بلکہ ادب و شعر کے موضوعات میں بھی مستقل جگہ پائی "فصوص الحکم" کے بارے میں ستار طاہر لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصنیف فصوص الحکم کے بعد جو فلسفی، دانشور، شاعر اور ادیب اس دنیا میں سامنے آیا خواہ وہ کسی رنگ، ملت، ملک اور قوم سے تعلق رکھتا تھا وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نظریہ اور فلسفہ وحدت الوجود سے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔" (۱۵۶)

بارھویں صدی کے ان صوفیا کے علاوہ حکیم سنائی، خواجہ فرید الدین عطار اور نظامی گنجوی جیسے صوفی شعرا بھی قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنے کلام کے ذریعے تصوف کے معاملات مسائل کو شعری رنگ و آہنگ میں پیش کیا۔ مجدالدین بن آدم حکیم سنائی غزنوی (متوفی ۵۴۵ھ/۵۱-۱۱۵۰ء) پانچویں صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوئے (۱۵۷) شروع میں دربار سے وابستہ رہے۔ حکمرانوں، امراء اور وزراء کے قصیدے لکھتے رہے لیکن ایک مجذوب کی بات کا ایسا اثر لیا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو گئے (۱۵۸) ان کے نام سے چھ مثنویاں منسوب ہیں، جن میں سے عشق نامہ، عقل نامہ، کنزالرموز اور غریب نامہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ "حدیقہ" اور "سیر العباد" دو صوفیانہ تصنیفات بھی شامل ہیں، ان دونوں کتابوں میں تصوف کی مبادیات اور مقامات سلوک کی تشریح و تعبیر ملتی ہے۔ محمد بن ابوبکر ابراہیم خواجہ فرید الدین عطار مضافات نیشاپور میں ۵۱۳ھ کو پیدا ہوئے (۱۵۹) ان کی شاعری صوفیانہ شاعری کی ذیل میں آتی ہے انہوں نے جملہ اصناف سخن میں

تصوف کے مضامین باندھے، وحدت الوجود کا نظریہ بالخصوص ان کے کلام کا موضوع بنا ہے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد بے شمار ہے، بعض روایتوں کے مطابق ان کی تعداد قرآنی سورتوں کے ہم عدد یعنی ۱۱۴ ہے (۱۶۰) ان میں اسرار نامہ، الہیٰ نامہ، پند نامہ، وصیت نامہ، خسرو گل، شرح القلب، دیوان مصیبت نامہ قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان کی شہرت کا دارومدار تذکرہ الاولیاء اور منطق الطیر پر ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے "تذکرہ الاولیاء" صوفیا کے حالات پر مشتمل ہے اور اس سلسلے میں بڑا اہم ماخذ ہے۔ "منطق الطیر" مثنوی ہے، اخلاق و معرفت کا منظوم خزانہ ہے۔ علامہ شبلی نے ان کے اشعار کی تعداد لاکھ سے زیادہ بتائی ہے (۱۶۱) آپ نے تاتاریوں کے ہاتھوں شہادت پائی، سال وفات ۶۲۷ھ ہے۔ آپ کی عمر ایک سو چودہ سال بتائی جاتی ہے۔ (۱۶۲) شیخ نظامی گنجوی کی ساری زندگی گوشہ نشینی، قناعت اور توکل میں گزری، انہوں نے درباداری سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ ان کی مثنوی "پنجگانہ" بہت مشہور ہے۔ اس میں انہوں نے افسانے کی صورت میں حقائق و معارف کے دریا بہائے ہیں۔ مولانا جامی کے مطابق یہ مثنوی سلاطین کی استدعا پر لکھی گئی تھی تاکہ اس نظم کی وجہ سے ان کا نام بھی زندہ رہے (۱۶۳) اس کے علاوہ "اسکندر نامہ" تحریر کیا۔ یہ ان کی آخری کتاب ہے۔

تیرھویں صدی کا زمانہ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور اخلاقی زوال کی داستان کو دہراتا ہے۔ تاتاری حملے نے اس صدی میں عالم اسلام کو جو نقصان پہنچایا تاریخ کے صفحے اس کے گواہ ہیں بغداد، جو اسلامی تہذیب و تمدن کا عظیم الشان مرکز تھا۔ عبرت ناک تباہی سے دوچار ہوا۔ لائبریریاں نذر آتش کر دی گئیں۔ انسانی خون کی ارزانی نے زندگی کا اعتبار کھو دیا۔ خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ ہوا انتشار خیالی نے مسلمانوں کی مذہبی، تمدنی اور عمرانی زندگی کو تتر بتر کر کے رکھ دیا، ظاہر ہے ابتری اور پرشان خیالی کے اس دور میں تصوف کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملتا ہے۔ صوفیاء نے اس دور میں جو خدمات انجام دیں، وہ ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں

نے مسلمانوں کی منتشر خیالی کو ایک نہج پر لانے کی کوشش کی۔ ان کے کھوئے ہوئے اعتماد کو بحال کیا۔ انہیں خود غرضی اور انفرادی مفاد پرستی کی راہ سے ہٹا کر اجتماعی زندگی کی برکتوں سے روشناس کرانے کی سعی کی۔ انحطاط پذیر اخلاقی اقدار کو صحت مند سرگرمیوں کی طرف راغب کیا۔

اس صدی میں تصوف نے جو صورت اختیار کی اسے تحریر کا نام دینا بے جا نہ ہوگا۔ تصوف کا پورا نظام اس صدی میں وضع ہوا۔ اس کے افکار مرتب ہوئے۔ روحانی سلسلے متعین ہوئے اور یوں تصوف کی دنیا میں انقلاب عظیم برپا ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صدی تصوف کے عروج کی صدی ہے اور جو کچھ اس صدی میں سامنے آیا آئندہ کے لئے لائحۂ عمل قرار پایا۔ اس صدی کے بعد کوئی قابل قدر اضافہ نہ ہوسکا۔

اس عہد کے صوفیاء میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہیں، جو دراصل تو شاعر تھے لیکن ان حالات سے متاثر ہر کر انہوں نے متصوفانہ زندگی اختیار کر لی اور اپنی صوفیانہ شاعری کی بدولت شہرت پائی۔ ان صوفی شعراء میں مولانا روم، شیخ سعدی، عراقی اور اوحدی قابل ذکر ہیں، علامہ اقبال کے مرشد روحانی حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ ایک ایسے صوفی شاعر ہیں، جن کی شہرت و عظمت پوری دنیائے ادب و تصوف میں مسلّم ہے۔ حضرت شیخ عبدالرحمان چشتی کے مطابق "آن شہباز بلند پرواز" در عشق و جوانمردی ممتاز، موصوف باوصاف معنوی، قطب ابدال، مولانا جلال الدین محمد بلخی، رومی قدس سرہ بن مولانا بہاء الدین ولد کا سلسلۂ نسب امیر المومنین ابوبکر صدیق تک جاملتا ہے۔" (۱۶۴) آپ ۶۰۴ھ (۸-۱۲۰۷ء) میں شہر بلخ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم محمد بن حسین بہاء الدین سے حاصل کی۔ جو اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ پھر اکتساب علم کی خاطر مختلف ممالک کی سیاحت کی۔ قونیہ پہنچے تو حضرت شمس تبریزی نے آپ کی زندگی کا انداز بدل کر رکھ دیا۔ وہ اہلِ خرد سے اہل دل بن گئے۔ آپ کی تاریخ

وفات ۵ جمادی الاخر ۶۷۲ھ بتائی جاتی ہے (۱۶۵) مولانا روم کی تصنیفات میں فیہ مافیہ (ملفوظات کا مجموعہ) دیوان شمس تبریز (مجموعہ غزلیات) اور مثنوی مولانا روم قابل ذکر ہیں۔ مولانا روم کی زیادہ تر شہرت اس مثنوی کی مرہون منت ہے۔ یہ مثنوی جس کو پہلوی زبان کا قرآن کہا جاتا ہے، تصوف کے عارفانہ مضامین پر ایک عظیم منظوم ادب پارہ ہے۔ اعجاز الحق قدوسی کے الفاظ میں

"مثنوی مولانائے روم گنجینۂ معارف ہے۔" (۱۶۶)

حضرت شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی ہمدان کے ایک قصبے کونجان میں پیدا ہوئے۔ مراۃ الاسرار کے مطابق

"گنجینۂ شوق و اشتیاق، در طور عشق یگانہ آفاق مست توحید بے شراب و ساقی، غریق وصال شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی قدس سراہ کا شمار بے باکان روزگار میں ہوتا ہے۔" (۱۶۷)

علوم کی تحصیل ھمدان کے مدرسے سے کی اور پھر اسی مدرسے میں تدریس بھی کی، حافظ قرآن تھے اور قرآن اس انداز میں پڑھتے تھے کہ ہمدان والے انکی آواز پر عاشق اور فریفتہ تھے (۱۶۸) قلندروں اور درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں آئے۔ ملتان میں پہنچے تو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے ملاقات ہوئی اور ان سے وہ لگاؤ پیدا ہوا کہ یہیں کے ہو کر رہ گئے، حضرت بہاء الدین زکریا نے اپنی صاحبزادی کی شادی ان سے کردی اور وہ پچیس برس تک انہی کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ نے اپنی وفات کے وقت عراقی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمادیا لیکن زکریا ملتانی کے مریدوں سے ان کی نہ نبھ نہ سکی اس لئے عدن چلے گئے (۱۶۹) پھر وہاں سے دمشق چلے گئے۔ عراقی نے دمشق ہی میں ۶۸۸ھ میں وفات پائی ان کا مزار بھی وہیں واقع ہے۔ عراقی بلند پایہ شاعر تھے، ان کے کلام میں تصوف اور عرفان کے مضامین ملتے ہیں۔ مثنوی اور غزل پر طبع آزمائی کی۔ نثر میں ان کی مشہور کتاب "لمعات" ہے جو اپنے وقت کی معرکتہ الارا کتاب

سمجھی جاتی ہے۔ مولانا جامی نے "اشعتہ اللمعات" اور مولانا صائن الدین علی ترکہ اصفہانی نے "ضوٴاللمعات" کے نام سے اس کی شرحیں لکھیں (۱۷۰) شیخ سعدی کے بارے میں مراۃالاسرار میں لکھا ہے۔

"عارف محرم اسرار، عاشق بے اختیار، فارغ از مستقبل و ماضی، زبدہ عالم شیخ شرف الدین شیرازی قدس سرہ، نہایت قوی الحال باکمال بزرگ تھے۔ تمام ظاہری و باطنی علوم اور آداب تصوف سے بہرہ ور تھے۔" (۱۷۱)

شیخ سعدی بحوالہ کتاب "بوستان" شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے اور شیخ ابو عبداللہ خفیف کی خانقاہ کے مجاور رہے۔ آپ نے بہت سیاحت کی پاپیادہ کئی حج کئے۔ سومنات کے بت خانہ میں بھی گئے اور ہندوؤں کے بڑے بت کو توڑ دیا (۱۷۲) آپ نے ماہ شوال کی شب (جمعہ) ۶۹۱ھ میں وفات پائی۔ شیخ سعدی کی تصانیف میں گلستان و بوستان خاص طور پر مشہور ہیں اور ادب کے عجائبات میں شمار ہوتی ہیں۔ گلستان و بوستان اخلاق، اصلاح پسندی، رشد و ہدایت اور عارفانہ مضامین کے لحاظ سے دنیا کی اہم کتابوں میں شامل ہوتی ہیں، اس دور کے ایک اور صوفی شاعر اوحدی نے بھی صوفیانہ مسلک کی شاعری کی اور عارفانہ مضامین کو ادب کے حوالے سے لوگوں میں مقبول بنایا۔

مختصر یہ کہ تیرہویں صدی عیسوی تک مسلک تصوف ایک مربوط تحریک کی صورت میں دنیائے اسلام کی اخلاقی، روحانی اور باطنی اقدار کو متاثر کرتا رہا۔ صوفیاء کے حلقہ ارادت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوگیا یہاں تک کہ ان کی وفات کے بعد ان کی خانقاہیں اور مقبرے مرجع خلائق بن گئے۔

جیسا کہ اوپر کی تفصیل میں بتایا گیا ہے کہ تصوف کا آغاز بعض سیاسی، سماجی اور فکری تقاضوں کے ردعمل کے طور پر ہوا تھا۔ خلافت کے بعد جب ملوکیت کا دور آیا اور حکمران راہ راست سے ہٹنے لگے، رعایا پر مظالم کا سلسلہ شروع ہوا۔ شان و شوکت کے حصول، ہوس اقتدار، آمرانہ نظام اور جمہوریت کشی کے

رویے عام ہوئے رضائے الہیٰ، خلوص و محبت، خدمت، ایثار اور قربانی جیسی مثبت اقدار ہوا و ہوس، جور و جفا اور مردم آزادی جیسے منفی رویوں میں تبدیل ہونے لگیں تو ایسی صورت حال میں صوفیا کا وہ طبقہ وجود میں آیا جس نے حالات کی سنگینی کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کی اور مادیت کی شدید خواہشات کے مقابلے میں روحانیت اور اخلاص و اخلاق کی اقدار کی تبلیغ کرنے لگے۔ صوفیا کا طبقہ اول عبادت و ریاضت، جذبات کے ترفع اور روحانی بلندی کی طرف مائل ہوا۔ ان صوفیاء نے کسی مربوط تحریک کو جنم نہیں دیا بلکہ انفرادی سطح پر صوفیانہ مسلک کی تحریک و ترویج کے لئے کوشاں رہے۔ البتہ انکے اثرات اسلامی ممالک میں خود بخود پھیلنا شروع ہوئے۔

شروع میں تصوف کا پہلا مرکز کوفہ اور بصرہ بنے یہیں سے دوسرے اسلامی ممالک میں تصوف کی ترویج شروع ہوئی۔ پہلے دور کے صوفیا میں حضرت ابو ہاشم عثمان۔ ابراہیم بن ادھم حضرت اویس قرنی، حضرت محمد واسع، حسن بصری، رابعہ بصری، داؤد طائی، فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان ثوری اہم ہیں۔

ان صوفیاء نے شریعت و طریقت دونوں کی پابندی کی۔ عبادت اور ریاضت حد سے زیادہ کی۔ ضبط نفس، سادگی اور درویشی اُن کا مسلک رہا، ترک علائق کر کے روحانیت کی منزلیں طے کیں۔ حکمرانوں کے سامنے کبھی دست احتیاج نہیں پھیلایا بلکہ جب کبھی موقع ملا ان کو ان کی بے راہ روی اور غلطیوں پر سرزنش کرنے سے نہ چوکے۔ اس دور کے صوفیاء کی تصنیفات بہت ہی کمیاب ہیں۔ چند کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ جن کی تفصیل سابقہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔

بنو اُمیہ کے بعد جب عباسیوں کے دور کا آغاز ہوا تو یونانی علوم و فنون پر مشتمل کتابوں کے تراجم شروع ہوئے اور عقلی علوم کا سیلاب آگیا، مامون الرشید کے زمانے میں خاص طور پر فلسفہ و حکمت کی کُتب عربی میں منتقل ہوئیں، ان عقلی و منطقی علوم کی بدولت عقائد و نظریات کی دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا۔

عقیدتوں کی دنیا میں تشکیک کے رویے در آئے۔ قرآنی آیات کی تاویلات مختلف اندازمیں کی جانے لگیں۔ متنازعہ فی مسائل پر بحث ومناظرے کا آغاز ہوا، ایسے دور میں صوفیا کا وہ طبقہ وجود میں آیا جو عقل کے مقابلے میں اعتقاد، ایمان و ایقان اور عشق الہیٰ کے عرفانی جذبوں کو بروئے کار لایا زہد و اتقاء، پرہیز گاری، استغراق فنا و بقا، مجاہدہ اور مشاہدۂ حق کی باتیں عام ہوئیں۔ قلبی واردات اور جذب دروں کے ذریعے ذہنی خلفشار اور تشکیک کے رویّوں کو کم کرنے کی سعی کی جانے لگی۔

اس دور کے صوفیا میں حضرت معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی، ابوبکر بن جحدر شبلی، حضرت منصور حلاج، ابو عبداللہ حارث بن المحاسبی، حضرت ذوالنون مصری، القنطری اور حضرت سری سقطی اہم ہیں۔ ان صوفیاء میں سے بعض کی تصنیفات بھی مشہور ہوئیں۔ جن میں المحاسبی کی کتاب "الرعایہ الحقوق اللہ" الخراز کی تصنیف "کتاب الصدق" حضرت جنید بغدادی کی تصنیفات المثال القرآن اور کتاب رسائل منصور حلاج کی کتاب "الطواسین" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس زمانے کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ فقہ کی تدوین کا کام مکمل کرنا ضروری ہو گیا۔ علم فقہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مسلمانوں کی مسلسل فتوحات نے بہت سے ممالک کو انکا مفتوح بنایا۔ دوسری اقوام کے ساتھ میل جول اور روابط سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے کہ غیر عربی اقوام کا ماحول، تہذیبی اقدار اور ذہنی رویے مختلف تھے اس لئے عجمی اور عربی تہذیب کو ایک مذہب کی لڑی میں پرونے کے لئے اجتہاد فکر کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل نے فقہ کی ترتیب و تدوین کا کام مکمل کیا اور اس طرح اس دور کے دینی تقاضوں کو پورا کیا، لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اجتہاد فکر کا راستہ روک دیا گیا۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ نئے زمانے کے ساتھ ساتھ نئے مسائل اور تقاضے بھی سامنے آتے ہیں، اس لئے اجتہاد

فکر کی ضرورت ہر دور اور ہر زمانے میں پیش آتی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے لوگوں نے ذاتی مفادات کی خاطر یا تو اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے اور یا بقول علامہ خلیق احمد نظامی

"۔۔۔ایک زبردست گمراہی اس زمانے میں یہ پیدا ہوئی کہ فقہی مسائل میں حیلہ بازی کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ہر شرعی حکم سے بچنے کے لئے اور ہر قید شرعی سے نکل بھاگنے کے لئے بہانے تراشے جانے لگے۔۔۔ فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل باب "باب الحیل" کا اضافہ کیا گیا۔" (۱۷۳)

ان خرابیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی روح کے برعکس ذاتی مفادات کو فوقیت دی گئی۔ باطن کی پاکیزگی باقی نہ رہی۔ لوگ اخلاقی پستی کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ صوفیا کا وہ طبقہ جو ان حالات میں سامنے آیا انہی خرابیوں کو دور کرنے پر کمر بستہ ہوا۔ انہوں نے فکر و عمل کے درمیان بُعد اور منافقت کے خلاف جہاد کیا۔ خارجی مسائل کی تفہیم کے بعد لوگوں کی اخلاقی اصلاح پر توجہ دی۔ اس عہد کے (دسویں صدی عیسوی) صوفیا میں شیخ ابو سعید ابن العربی، شیخ ابو حمد الخلدی، شیخ ابو نصر السراج، شیخ ابوطالب مکی، شیخ ابو بکر اور ابو عبدالرحمان سلمیٰ قابل ذکر ہیں۔ ان صوفیا کی تصنیف کردہ کتب میں مختلف مشائخ اور صوفیا کے سوانحی حالات اور ان کی تعلیمات منضبط ہوئیں۔ ان میں تصوف کے سلسلے میں نظری مباحث بھی شامل ہیں۔ ان تصنیفات میں الخلدی کی حکایت الاولیاء، ابو نصر سراج کی "کتاب اللمع" ابو طالب مکی کی "قوت القلوب" ابوبکر کی "التعرف" اور عبدالرحمان السلمیٰ کی "طبقات الصوفین" خاص طور پر قابل ذکر ہیں حقیقتاً اس صدی میں تصوف کی روایت کو استحکام ملا، صوفیانہ اصطلاحات وضع ہوئیں اور اب صوفیانہ مسلک نے ایک باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر لی۔

گیارہویں صدی عیسوی میں تصوف کی اس تحریک نے عوامی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اب مسلک تصوف ایک مربوط سلسلۂ فکر بن گیا۔ عام زندگی

کے علاوہ شعروادب میں بھی تصوف کی چاشنی شامل ہوئی۔ اس صدی کے صوفیانہ میں شیخ ابو نعیم اصفہانی، شیخ ابوالقاسم قشیری، شیخ علی ہجویری اور شیخ عبداللہ انصاری جیسے بزرگوں کے علاوہ شیخ ابو سعید ابی الخیر جیسے صوفی بھی شامل ہیں۔ انہی بزرگوں کی کوششوں سے تصوف ایک عوامی تحریک بنی۔ تصوف کی جو اصطلاحات اس دور سے پہلے وضع ہو چکی تھیں ان کی تشریح و توضیح کا کام اس عہد میں ہوا۔ اس صدی میں فلسفے کی فکری اور نظری تدوین و ترتیب کا کام بھی ہوا۔ اور تصوف و شریعت کا تعلق قائم رکھا گیا۔ اس دور کی کتابوں میں قشیری کا "رسالہ قشیریہ" علی ہجویری کی تصنیف "کشف المحجوب" عبداللہ انصاری کی منازل السائرین اور طبقات الصوفیہ" اصفہانی کی حلیۃ الاولیاء اہم ہیں۔ ان کتب نے تصوف کی مقبولیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب تصوف کی نہایت اہم اور تاریخی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔

جناب علامہ خلیق احمد نظامی نے اس صدی میں تصوف کی صورت حال پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

(۱) "تصوف کے خیالات تیزی کے ساتھ عوام میں پھیل رہے تھے، تقریباً ہر مذہب کے مشاہیر صوفیہ اور علماء نے تصوف کی حمایت میں قلم اٹھا لیا۔ (شیخ ابو نعیم اصفہانی، شافعی مذہب تھے، شیخ علی ہجویری حنفی تھے، شیخ عبداللہ انصاری حنبلی تھے)

(۲) شیخ ابو سعید ابوالخیر نے اپنی رباعیات، شیخ عبداللہ ہروی نے اپنی مناجات اور شیخ ہجویری نے اپنی کشف المحجوب کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچا کر، تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان بہم پہنچا دیا۔" (۱۷۴)

تصوف کی تاریخ میں بارہویں صدی عیسوی کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ اس عہد میں اسلامی تصوف کو باقاعدہ طور پر فلسفے کی شکل ملی اور یہ ایک مستقل فن

بن گیا- بارہویں صدی کا زمانہ عالم اسلام کے سیاسی زوال کا زمانہ ہے- بغداد کی خلافت بحران کا شکار ہو چکی تھی- مسلمان حکمرانوں کے کردار اور اعمال اصلاح کا تقاضا کرتے تھے- اس دور میں صوفیاء نے اصلاح احوال کی سعی کی- مروجہ اصطلاحات میں نئی اصطلاحات کا اضافہ کیا- صوفیانہ تعلیمات کو مذہبی حکمت، وجدان اور نفسیات کے ساتھ ہم آہنگ اور مربوط کیا گیا اس دور کے نمایاں صوفیاء میں امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، عبدالقادر سہروردی، محی الدین ابن العربی، شیخ شہاب الدین سہروردی قابل ذکر ہیں- اس صدی میں حکیم سنائی فرید الدین عطار اور نظامی گنجوی جیسے صوفی شعراء بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے شاعری میں تصوف کے مضامین باندھے-

بارہویں صدی کے صوفیاء میں امام غزالی کو بطور خاص ممتاز مقام حاصل ہے- انہوں نے تصوف کو فلسفیانہ رنگ دیا- ان کی کتاب "احیاء العلوم الدین"--- استدلالی اسلوب بیان کا شہکار ہے- عبدالقادر جیلانی نے نہ صرف عملی طور پر بلکہ علمی سطح پر بھی تصوف کو مقبول بنایا، ان کی تصانیف میں "فتوح الغیب" غنیتہ الطالبین اور الفیوضات اہم ہیں-

شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف "عوارف المعارف" تصوف کی نہایت اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہیں- ابن العربی کی تصنیفات کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے لیکن ان میں سے "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" کو بے پناہ اور لازوال شہرت حاصل ہوئی- وحدت الوجود کے مسئلے پر جس بسط و شرح کے ساتھ ابن العربی نے لکھا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی-

حکیم سنائی کی چھ مثنویوں کے علاوہ تصوف پر دو کتابوں سیر العباد اور حدیقہ بھی خاص مشہور ہوئیں- فرید الدین عطار کی "تذکرۃ الاولیاء اور "منطق الطیر" بہت مشہور ہوئیں اور شیخ نظامی گنجوی کی مثنوی "پنجگانہ" اور "اسکندر نامہ" اہم ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں لکھی گئی تصنیفات تصوف کی دنیا میں ایک مستقل

مقام کی حامل ہیں اور ان کتابوں نے تصوف کو ایک باقاعدہ فلسفیانہ علم کی حیثیت عطا کر دی۔

تیرہویں صدی عیسوی کا زمانہ تاتاریوں کی یلغار اور بغداد کی تباہی کا دور ہے۔ منگولوں کے حملوں اور قتل و غارت نے مسلمانوں کی تمدنی، عمرانی اور اخلاقی و روحانی اقدار کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ سیاسی، اخلاقی اور سماجی زوال نے مسلمانوں میں انتشار کی ایک ایسی مفعولی حالت پیدا کر دی کہ تصوف کو از خود پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا۔ صوفیاء نے مسلمانوں کے کھوئے ہوئے اعتماد کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ انہیں منتشر خیالی سے نکال کر اجتماعیت کی برکتوں سے سرشار کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی طور پر بھی ابھارنے کی سعی کی۔

اس صدی کے صوفیاء میں زیادہ تو وہ شاعر شامل ہیں، جنہوں نے صوفیانہ شاعری کی اور خود بھی متصوفانہ زندگی گزاری۔ ان صوفی شعراء میں مولانا روم، شیخ سعدی، عراقی اور اوحدی وغیرہ، قابل ذکر ہیں۔

اس صدی میں تصوف کا پورا نظام اپنی تمام تر تفصیلات اور امکانات کے ساتھ وضع ہوا۔ روحانی سلسلے قائم ہوئے اور اس صدی تک جو کچھ صوفیانہ نظام متعین ہوا وہی آئندہ کے لئے بھی معتبر ٹھہرا اس صدی کے بعد نظری طور پر تصوف میں کوئی معتد بہ اضافہ نہ ہو سکا۔

یوں تو تصوف کے بہت سے سلسلے رہے ہیں لیکن ان میں زیادہ اہم اور فعال سلسلے یہ ہیں۔ سلسلہ چشتیہ۔۔۔ اس سلسلے کے بانی خواجہ ابو اسحاق شامی ہیں جو چوتھی صدی ہجری کے زمانہ کے ہیں، صوفیاء کا یہ سلسلہ سب سے قدیم ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں خواجہ معین الدین اجمیری کے ذریعے پہنچا۔ معین الدین اجمیری کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے پھر ان خلفاء کے ذریعے یہ سلسلہ آگے تک چلتا رہا ان میں قطب الدین بختیار کاکی، فرید الدین مسعود گنج شکر و شیخ راجو قتال وغیرہ قابل ذکر ہیں، سلسلہ چشتیہ کے بعد میں دو گروہ

بن گئے تھے جن میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور سلسلہ چشتیہ صابریہ شامل ہیں۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فرید الدین گنج شکر کے خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاء سے منسوب ہے۔ جن کے خلفاء برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی خدمات سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔ ان خلفاء میں امیر خسرو اور حسن دہلوی جیسے نامور صوفی شعراء کے ساتھ ساتھ شیخ حسام الدین ملتانی، حضرت حافظ جمال، خواجہ سلیمان تونسوی خواجہ خدا بخش، منشی غلام حسین شہید، خواجہ غلام فرید جیسے صوفی بزرگ بھی شامل ہیں۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ بھی خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ایک اور خلیفہ شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری سے منسوب ہے ان لوگوں نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ساتھ ساتھ کام کیا اور آج کل بھی فعال ہے اس سلسلے کی نمایاں خدمات سر انجام دینے والوں میں شیخ عبدالحق ردولوی اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہیں۔

سلسلہ قادریہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے منسوب سلسلہ قادریہ نے عراق، شام اور برصغیر پاک و ہند میں گراں قدر خدمات انجام دیں (پنجاب میں یہ سلسلہ شاہ معروف خوشابی اور شیخ میر محمد معروف بہ میاں میر لاہوری نے پھیلایا اس سلسلے میں خصوصاً سندھ میں بہت کام کیا وہاں کا راشدی سلسلہ اور نوشاہی سلسلہ اس کی شاخیں ہیں۔ ملتان میں اس سلسلے کے نامور صوفی بزرگ عبدالرشید حقانی اور موسیٰ پاک شہید کے علاوہ شاہ علی محمد اور سلطان ایوب قتال ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ(۱۷۵) یہ سلسلہ ترکستان میں خواجہ محمد اتالیسوی سے شروع ہوا اور سلسلہ خواجگان کے نام سے مشہور ہوا پھر خواجہ بہاء الدین نقشبند نے اسے عروج تک پہنچایا تو ان کی نسبت سے یہ سلسلہ نقشبند کے نام سے مشہور ہوا۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ خواجہ محمد باقی معروف بہ خواجہ باقی اللہ سمرقندی کابلی نے پہنچایا۔ شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی کی نسبت سے اس کی ایک شاخ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کہلوائی۔

سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی نے رکھی اور اس کی اشاعت و ترویج کے سلسلے میں شیخ شہاب الدین سہروردی کا نام قابل ذکر ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں قاضی حمید الدین ناگوری نے اور ملتان سے شیخ بہاء الدین زکریا نے اسے خوب پھیلایا۔ بہاء الدین زکریا کے خلفاء اور پھر آگے ان کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جو اس سلسلے سے وابستہ تھے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ شیخ جلال الدین سرخ بخاری، شیخ حسام الدین متقی ملتانی، خواجہ حسن افغان، صدر الدین عارف، شاہ رکن الدین عالم شاہ دانا شہید، شیخ حسین کاہبر وغیرہ ملتان میں اس سلسلے سے وابستہ لوگ کئی سو سال تک چھائے رہے۔ سندھ و پنجاب میں یہ سلسلہ خوب پھیلا۔

اس سلسلے کے بانی شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کے خلیفہ شیخ نجم الدین کبری کی نسبت سے اس سے ایک اور سلسلہ کبرویہ بھی توران و کشمیر میں بہت مشہور ہوا۔

ان کے علاوہ بھی صوفیاء کے کئی سلسلے ہیں جن میں سے کچھ تو برصغیر پاک و ہند پہنچے اور کئی اس سے باہر دوسرے ممالک تک ہی رہے۔ ان میں سلسلہ فردوسیہ (بانی شیخ بدر الدین سمرقندی) سلسلہ شطاریہ (بانی شیخ عبداللہ شطاری) سلسلہ شاذلیہ (بانی شیخ ابوالحسن شاذلی) سلسلہ مولویہ (بانی مولانا جلال الدین محمد رومی) سلسلہ حیدریہ (بانی شیخ قطب الدین حیدر) شامل ہیں۔

۱۔ اگرچہ غلام احمد پرویز افلاطون کو تصوف کا بانی خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "تصوف کا ابوالآبا درحقیقت افلاطون (Plato) کو سمجھنا چاہیے۔۔۔۔ اس نے سب سے پہلے یہ تصور پیش کیا کہ اس عالم محسوس کے اوپر ایک عالم امثال ہے وہ حقیقی وجود رکھتا ہے اور یہ عالم محض اس کا پرتو ہے۔ اس عالم میں جو کچھ ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کی حقیقت سراب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس حقیقی عالم کے متعلق علم حواس کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتا باطنی طریق سے حاصل ہو سکتا ہے۔ (بحوالہ "تصوف کی حقیقت" ص ۲۶،۲۷)

۲۔ بحوالہ "تاریخ تصوف، بشیر احمد ڈار، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، اکتوبر ۱۹۶۲ء، ص ۱۶۔
۳۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے فیثا غورث کو چھٹی صدی ق۔ م کا دوسرا نامور حکیم قرار دیا ہے۔
("اقبال اور مسلک تصوف" اقبال کا اکادمی، طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۸۲)
۴۔۵۔ بحوالہ "تاریخ تصوف" از بشیر احمد ڈار، ص ۲۷۔
۶۔ بشیر احمد ڈار نے اپنی کتاب تاریخ تصوف، (صفحہ ۳۴) میں اس کی ولادت اسکندریہ میں بتائی ہے جبکہ یوسف سلیم چشتی نے یونانی سوفسطائی یونے پی اس (Eunapius) کے حوالے میں لکھا ہے کہ وہ مصر کے ایک شہر لائیکا پولس (Lycopolis) میں پیدا ہوا تھا۔
(ملاحظہ فرمائیے "تاریخ تصوف" ص ۶۳)
۷۔ ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر فلاطینوس کا زمانہ ۲۰۵ تا ۲۷۰ء قرار دیتے ہیں (بحوالہ جنید بغداد، ص ۲۲۹)
۸۔ "تاریخ تصوف" بشیر احمد ڈار، ص ۴۱۔
۹۔ ـــــــ ایضاً ـــــــ ص ۲۶۔
۱۰۔ ملاحظہ فرمائیے ورثۂ اسرائیل (Legacy of Isreal) مطبوعہ آکسفورڈ پریس ۱۹۴۸ء، ص ۴۷۔
۱۱۔ انسائیکلوپیڈیا مذہب و اخلاقیات، جلد نمبر ۸، ص ۱۳۴ (الف)
۱۲۔ بحوالہ "تصوف کی حقیقت" ص ۲۷۔
۱۳۔ ـــــــ ایضاً ـــــــ ص ۲۸۔
۱۴۔ تاریخ از بشیر احمد ڈار، ص ۱۱۷۔
۱۵۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہرمیس ہی ادریس کا دوسرا نام ہے۔
۱۶۔ تاریخ تصوف از بشیر احمد ڈار، ص ۱۳۹۔
۱۷۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے

"The Majjihma Nihaya"
"The First fifty discourses from the collection of medium length discourses of Cautama the Budha.... By Bhikhu Silchera, P-3-5.

۱۸۔ Buddhism in Japan By E.Dale Saunders< Page 82 to 88
Charles E. Tuttle Company, Tokyo, First Edition 1972.

۱۹۔ بحوالہ "اسلامی تصوف میں فرد کا تصور" (تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی۔ غیر مطبوعہ) از پروفیسر محمد امین، ص ۲۳۵،--- یہ مقالہ زکریا یونیورسٹی، ملتان میں پیش کیا گیا۔

۲۰۔----- ایضاً----، ص ۲۳۶۔

۲۱۔ بحوالہ "کائنات اور فرد" جلد اول، باب چہارم، ص ۱۰۴۔

۲۲۔ بحوالہ "تصوف کی حقیقت" ص ۳۶۔

۲۳۔ بحوالہ "تاریخ تصوف" از یوسف سلیم چشتی، ص ۵۵۔

۲۴۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں

"Literary History of Persia" by Browne, Vol-1,P-203-208

۲۵۔ بحوالہ رسالہ قلم قبیلہ، طبع اول، اگست ۱۹۸۱ء، ص ۱۱۳۔

۲۶۔ بحوالہ پیش لفظ، جنید بغداد، از ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر۔ ترجمہ محمد کاظم، بار اول ۱۹۶۷ء، مطبوعہ مکتبہ جدید لاہور، ص ۸۔

۲۷۔ مولانا عبدالرحمان جامی لکھتے ہیں--- اگرچہ ان سے پہلے بھی بہت سے بزرگ زہد وورع و معاملات اور طریق توکل و محبت میں نیک نام تھے لیکن سب سے پہلے اس طبقے میں ان حضرات نے جس کو صوفی کا لقب دیا وہ ابوہاشم صوفی تھے ان سے پہلے کسی بزرگ کو صوفی کے نام سے ان حضرات نے نہیں پکارا (بحوالہ "حیات صوفیاء" ص ۱۱۳، ادارہ تبلیغ اسلام)

---- خواجہ غلام فرید نے لفظ صوفی کی ابتداء اور پہلے صوفی کے متعلق جس خیال کا اظہار کیا وہ اس طرح ہے۔

"--- پہلے صوفی حضرت شیث علیہ السلام کو ملی اس لئے ان کو حق تعالیٰ نے صوفی کے نام سے یاد فرمایا۔ ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام صوفی ہیں۔ ان کے بعد افضل و اکمل صوفی حضور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ آں حضرت ﷺ پر ایمان لے آئے اور اس ایمان پر فوت ہوئے وہ اصحاب کہلاتے ہیں۔ جن لوگوں کو اصحاب رسول کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ تابعین ہیں اور جن لوگوں کو تابعین کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ تبع تابعین کہلاتے ہیں۔ تبع تابعین کے بعد طبقہ صوفیاء کرام ہے چنانچہ پہلے صوفی حضرت ابوالہاشم ہیں۔"

(بحوالہ "مقابیس المجالس" جمع و ترتیب مولانا رکن الدین، مترجم و محقق کپتان واحد بخش سیال ص ۶۸۸، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۷۹ء)

----- البتہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے حضرت حارث المحاسبی (۱۶۵ے۔ ۲۴۳ھ) کو پہلا صاحب تصنیف صوفی قرار دیا ہے ان کی تصانیف کی تعداد سترہ بتائی جاتی ہے جن میں سے چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں یعنی (۱) کتاب الرعایہ فی التصوف (۲) اناب الی اللہ (۳) پارۂ از کتاب الصبر والرضا (۴) کتاب التوھم---- ان کتابوں میں "کتاب الرعایہ لحقوق اللہ ایقام بہا" تصوف پر اہم کتاب تصور ہوتی ہے جو سوال و جواب کے انداز میں لکھی گئی ہے-- (بحوالہ "تاریخ تصوف" از پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ص ۱۴۳)

۲۸۔ لیکن یوسف سلیم چشتی نے ان کی وفات ۱۶۲ھ/۷۷۸ء بتائی ہے۔

۲۹۔ بحوالہ "اقبال اور مسلک تصوف ص ۳۶۔

۳۰۔ Surfism— A.J.Arberry,P-35.

۳۱۔ "تذکرۃ الاولیاء" ---- از فرید الدین عطار ترجمہ مولانا قاری محمد عادل خان، مطبوعہ کتب خانہ خورشید یہ لاہور، ص ۹

۳۲۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص ٦٦ (ترجمہ کتاب الطبقات الکبریٰ از علامہ عبدالوہاب الشعرانی) از سید عبدالغنی وارثی مرحوم، نفیس اکیڈمی، سٹریچن روڈ کراچی۔

۳۳۔ "What is Sufism"—P-104.

۳۴۔ بحوالہ کتاب "خلاصہ الاحباب" (غیر مطبوعہ قلمی نسخہ) سنہ تالیف ۱۲٦٦ھ ص ۵۹---- لیکن ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر، منہاج السنہ (ابن تیمیہ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "---- یہ کہنا صحیح نہیں کہ حسن بصری کی ملاقات حضرت علی سے ہوئی وہ ان کے رفقاء سے ضرور ملے ہوں گے اس لئے کہ جب حضرت علی نے وفات پائی ہے تو حسن بصری اس وقت کم سن ہوں گے اس بناء پر استادی شاگردی کا یہ سارا سلسلہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے۔" (بحوالہ "جنید بغداد" اردو ترجمہ از محمد کاظم، ص ٦١) حضرت علی اور حسن بصری کی ملاقات کے بارے میں بدرالدین سرہندی نے بھی حضرت القدس دفتر اول کے آغاز میں ہی ذکر کیا ہے۔

۳۵۔ بحوالہ کشف المحجوب (ترجمہ ازدو بعنوان بیان المطلوب) مطبوعہ فیروز سنز، ۱۹ ویں بار ۱۹۷٦ء، ص ۱۴۸۔

۳٦۔ بحوالہ مراۃ الاسرار جلد اول، از حضرت شیخ عبدالرحمان، چشتی، ص ۲۳۳---- صوفی فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۲ء۔

۳۷۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص ۲۴٦۔

۳۸۔ بحوالہ "تذکرہ الاولیاء" ص ۲۹۔۔۔۔ از فرید الدین عطار ترجمہ مولانا قاری محمد عادل خان۔
۳۹۔ بحوالہ تذکرہ الاولیا" (فارسی) ص ۴۹، از فرید الدین عطار۔ مطبوعہ نولکشور، اپریل ۱۸۹۱ء (جناب حبیب فائق کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)
۴۰۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ بخارا کے رہنے والے تھے۔ (بحوالہ "حیات صوفیہ" ص ۱۲۳) جبکہ "اقبال کے محبوب صوفیا" از اعجاز الحق قدوسی، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۸ میں لکھا ہے کہ آپ کوفہ کے رہنے والے تھے۔۔۔
۴۱۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیا" اقبال اکادمی پاکستان، ص ۹۔
۴۲۔ سفینتہ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۱۲۰۔
۴۳۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" ص ۲۵۷۔
۴۴۔۔۔۔۔ ایضاً۔۔۔ ص ۲۸۰۔
۴۵۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" ص ۱۳۰۔
۴۶۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص ۲۸۱۔
۴۷۔ حیات صوفیہ (نفحات الانس) ص ۱۳۰۔
۴۸۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" ص ۲۳۶۔
۴۹۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص ۱۳۸۔
۵۰۔۔۔۔۔ ایضاً۔۔۔۔ ص ۱۳۸۔
۵۱۔ بحوالہ تذکرۃ الاولیاء" (فارسی)، ص ۳۹ از فرید الدین عطار۔۔۔۔
۵۲۔ "What is Sufism" P-106.
۵۳۔ بحوالہ "جنید بغداد" از ڈاکٹر علی حسن عبد القادر مترجم محمد کاظم، ص ۶۱۔
۵۴۔ "طبقات الاولیاء" ص ۱۵۶۔
۵۵۔ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص ۲۷۱۔
۵۶۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مرتے وقت وصیت کر کے اپنی کتابیں جلوا دیں تھیں لیکن "کتاب التفسیر" کا ایک عظیم نادر نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ (بحوالہ "مشائخ چشت" ص ۷۴-۷۵)
۵۷۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص ۱۰۵۔
۵۸۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص ۶۵۔

۵۹۔ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" از علامہ خلیق احمد نظامی، ص ۸۶۔
۶۰۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" ص ۱۲۵۔
۶۱۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص ۱۵۰۔
۶۲۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص ۲۸۵۔
۶۳۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیا" ص ۱۴۔
۶۴۔ ۔۔۔ ایضاً۔۔۔، ص ۳۰۰۔
۶۵۔ بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء" (اردو ترجمہ) ص ۱۲۵، مطبوعہ لاہور۔
۶۶۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص ۳۰۰۔
۶۷۔ بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء" ص ۳۱۰۔
۶۸۔ بحوالہ "جنید بغداد" ص ۱۱۰۔
۶۹۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص ۲۰۹۔
۷۰۔ بحوالہ "جنید بغداد" (مترجم محمد کاظم) ص ۹۱۔
۷۱۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص ۱۵۵۔
۷۲۔ بحوالہ "تاریخ تصوف" ص ۱۴۷۔
۷۳۔ بحوالہ "جنید بغداد" ص ۴۸۔
۷۴۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" ص ۶۶۔
۷۵۔ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت" ص ۸۶۔
۷۶۔ بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء (فارسی) ص ۱۷۶۔
۷۷۔ "تاریخ بغداد" (خطیب) جلد نمبر ۹، ص ۱۹۲۔
۷۸۔ حیات صوفیہ از مولانا عبدالرحمان جامی، ص ۱۴۶۔
۷۹۔ رسالہ قشیری، ص ۱۰۔
۸۰۔ تہذیب، جلد نمبر ۶، ص ۷۹۔
۸۱۔ "تاریخ بغداد" (خطیب) جلد نمبر ۳، ص ۲۵۶۔
۸۲۔ طبقات الاولیاء از سید عبدالغنی وارثی، ص ۱۴۶ (نفیس اکیڈمی کراچی طبع اول فروری ۱۹۶۵ء)
۸۳۔ "کشف المحجوب" (اردو ترجمہ) ص ۱۶۲۔

۸۴- مراۃ الاسرار، جلد اول، ص ۲۸۵-
۸۵- "تاریخ مشائخ چشت" خلیق احمد نظامی، ص ۸۶-
۸۶- "طبقات الاولیاء میں سنہ وفات ۲۹۷ھ دیا گیا ہے- (طبقات الاولیاء ص ۱۸۶)
۸۷- "طبقات الاولیاء" ص ۱۸۶-
۸۸- "تذکرہ الاولیاء" (فارسی) ص ۲۴۸-
۸۹- "تاریخ تصوف" ص ۱۹۱-
۹۰- "تذکرۃ الاولیاء" از فرید الدین عطار، ص ۲۴۸-
۹۱- "تاریخ تصوف" ص ۲۰۹-
۹۲- مارٹن لنگز لکھتے ہیں-

"Even, his Own Shaykh, Sarias Saqati, himself among the greatest Masters of Sufism, is reported to have said that the rank of his disciple (Who was also his nepheo) was above his won."
('What is Sufism', P-107)

۹۳- بحوالہ "جنید بغداد" ص ۳۲-
۹۴- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص ۳۶-
۹۵- حسین بن منصور علاج (شخصیت و افکار) ترتیب و تہذیب خورشید نعیم، ص ۷۹، سنگ میل پبلی کیشنز- اشاعت اول ۱۹۸۱ء چوک اردو بازار لاہور-
۹۶- بحوالہ مشائخ چشت از ڈاکٹر خلیق احمد نظامی، ص ۸۹-۸۸، دار المولفین، اسلام آباد-
۹۷- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص ۲۳۳-
۹۸- "جنید بغداد" ص ۲۱-
۹۹- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ۲۳۵-
۱۰۰- "جنید بغداد" ص ۲۱-
۱۰۱- بحوالہ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص ۲۴۵-
۱۰۲- "تاریخ بغداد" (خطیب) جلد ۹، ص ۱۹-
۱۰۳- "تصوف اسلام" از عبد الماجد دریا بادی، ص ۹، المعارف لاہور، بار اول ۱۳۹۳ھ-
۱۰۴- ملاحظہ فرمائیے "تذکرۃ الاولیاء" (فارسی) مطبوعہ نولکشور، اپریل ۱۸۹۱ء، ص ۳۹۱ تا ۳۹۲-

۱۰۵۔ "تاریخ تصوف" ص ۳۲۵۔
۱۰۶۔ "تصوف اسلام" ص ۱۰۔
۱۰۷۔ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" ص ۹۲۔
۱۰۸۔ "حیات صوفیہ" ص ۲۳۶۔
۱۰۹۔ ۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔ ص ۹۲۔
۱۱۰۔ "تاریخ تصوف" ص ۳۷۷۔
۱۱۱۔ "تصوف" از امام ابوبکر بن ابواسحاق ترجمہ از ڈاکٹر پیر محمد حسن، مطبوعہ المعارف، لاہور، ص ۱۴، بار اول ۱۳۹۱ھ۔
۱۱۲۔ "سفینۃ الاولیاء" ص ۴۱۔
۱۱۳۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیہ" ص ۴۵۔
۱۱۴۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص ۳۶۱۔
۱۱۵۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا خیال ہے کہ "موجودہ زمانے میں رباعیات کا جو مجموعہ ان کے نام سے بازار میں فروخت ہو رہا ہے وہ۔۔۔ بالکل جعلی ہے۔" (بحوالہ "تاریخ تصوف" ص ۵۱۲)
۱۱۶۔ "شعرالعجم" جلد پنجم، طبع دوم، ص ۱۲۔
۱۱۷۔ "تاریخ تصوف" از پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ص ۴۵۷۔
لیکن عبدالماجد دریا بادی ان کا مولد خراسان اور مدفن نیشا پور بتاتے ہیں۔ (بحوالہ "تصوف اسلام" ص ۶۱، المعارف لاہور، بار اول ۱۳۹۳ھ)
۱۱۸۔ بحوالہ تاریخ تصوف از یوسف سلیم چشتی، ص ۴۵۶۔
۱۱۹۔ بحوالہ تصوف اسلام، ص ۶۲۔
۱۲۰۔ نفحات الانس (حیات صوفیہ) میں تاریخ وفات ۴۹۵ھ درج ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے "حیات صوفیہ" ص ۴۴۷) لیکن "تاریخ تصوف" از پروفیسر یوسف سلیم چشتی (ص ۴۵۷) اور "تصوف اسلام" از عبدالماجد دریا بادی (ص ۶۱) میں ۴۹۵ھ دی گئی ہے اور یہی تاریخ درست ہے۔
۱۲۱۔ "داتا گنج بخش" از بشیر احمد سعدی، مطبوعہ البیان، لاہور، بار اول ۱۹۶۹ء ص ۴۱۔
۱۲۲۔ بحوالہ "بیان المطلوب" (اردو ترجمہ کشف المحجوب) ام مولوی فیروز الدین، مطبوعہ فیروز سنز، ۱۹ویں بار، ۱۹۷۶ء ص ۵۔
۱۲۳۔ بحوالہ "داتا گنج بخش" از بشیر احمد سعدی، ص ۸۷۔

۱۲۴۔ بحوالہ "آبِ کوثر" مطبوعہ ادارہ ثقافت لاہور، ساتویں بار ۱۹۷۵ء، ص ۷۸۔
۱۲۵۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع اول ۱۰۷۹ء ص ۴۱۔
۱۲۶۔ بحوالہ تصوف اسلام "ص ۳۹، "اقبال کے محبوب صوفیا" ص ٦٦، "آبِ کوثر" ص ۷۷۔
۱۲۷۔ ملاحظہ فرمایئے اورینٹل کالج میگزین، جلد ۳٦۔
۱۲۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "داتا گنج بخش اور ان کا عہد" از خالد محمود، مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور، طبع اول ۱۹۷۵ء، ص ۳۰۔۔۔ ص ۳۴۔
۱۲۹۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص ۱۱۰۔
۱۳۰۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" (تلخیص نفحات الانس) ص ۴۵۷۔
۱۳۱۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص ۱۳۷۔
۱۳۲۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص ۹۷۔
۱۳۳۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص ۱۰۲۔۔۔ لیکن تارا چند نے اپنی کتاب "Influence of Islam on Indian Culture" صفحہ ۵۹ میں سال وفات ۱۱۱۲ء درج کیا ہے۔
۱۳۵۔ بحوالہ "الغزالی" مطبوعہ نامی پریس کان پور، ص ۲٦۰۔
۱۳٦۔ "What is Sufism" P-111
۱۳۷۔ بحوالہ تصوف اسلام" از عبدالماجد دریا بادی، ص ۷۸۔
۱۳۸۔ "What is Sufism" P-111.
۱۳۹۔ Ibid, P-112.
۱۴۰۔ یہ کتاب فارسی زبان میں مطبع نولکشور نے ۱۳۰۵ھ میں شائع کی، اس کے ساتھ فارسی شرح ہے جو عبادلحق محدث دہلوی نے لکھی ہے اور یہ کتاب جناب حبیب فائق کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔
۱۴۱۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص ۱۰۹۔
۱۴۲۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ترجمہ الطبقات الکبری، ص ۲۷۳۔۲۷۴۔
۱۴۳۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص ۱۱۰۔
۱۴۴۔ ملاحظہ فرمایئے "حیات صوفیہ" ص ۵٦۵۔
۱۴۵۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صویا" ص ۱۱۹۔
۱۴٦۔ بحوالہ "معین الہند" مطبوعہ تاج پبلشرز دہلی، تیسری بار ۱۹۸۱ء ص ۱۷۔

۱۴۷۔-----۔ ایضاً۔--، ص ۵۷۔

۱۴۸۔بحوالہ "What is Sufism" by Martine Lings, P-112.

۱۴۹۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص ۱۳۲۔--- مارٹن لنگز نے سن وفات ۱۲۳۶ء درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "What is Sufism" P-112.

۱۵۰۔بحوالہ "حیات صوفیہ" ص ۲۴۶۔

۱۵۱۔ اس کا سن تصنیف ۵۶۵ھ ہے (بحوالہ "تصوف اسلام" از عبدالماجد دریا بادی، ص ۹۲)

۱۵۲۔بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص ۶۵۔

۱۵۳۔ملحظہ فرمائے۔ What is Sufism" P-112.

۱۵۴۔بحوالہ "حیات صوفیہ" ص ۶۸۳۔

۱۵۵۔بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص ۶۶۔

۱۵۶۔بحوالہ "امروز" ہفت روزہ ادبی ایڈیشن، ۲۱۔ جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۷۔

۱۵۷۔بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص ۹۱

۱۵۸۔بحوالہ "مشائخ چشت" ص ۱۲۳۔

۱۵۹۔بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء" (اردو) ص ۲۔

۱۶۰۔بحوالہ "تصوف اسلام" ص ۱۲۵۔

۱۶۱۔بحوالہ شعرالعجم" حصہ پنجم، ص ۱۲۵۔

۱۶۲۔بحوالہ "مراۃ الاسرار" ص ۱۱۳۔

۱۶۳۔بحوالہ "حیات صوفیہ" (ترجمہ نفحات الانس) ص ۷۴۹۔

۱۶۴۔بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص ۱۴۳۔

۱۶۵۔بحوالہ "حیات صوفیہ" (تلخیص و ترجمہ نفحات الانس)، ص ۶۱۶۔

۱۶۶۔بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص ۱۷۵۔

۱۶۷۔بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص ۱۷۳۔

۱۶۸۔بحوالہ "حیات صوفیہ" ص ۷۴۱۔

۱۶۹۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "اقبال کے محبوب صوفیہ" ص ۲۰۷ تا ۲۱۶۔

۱۷۰۔بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیہ" ص ۲۱۳۔

۱۷۱۔بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص ۱۷۱۔

۱۷۲۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" (نفحات الانس) ص ۷۴۰۔

۱۷۳۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص ۸۸۔

۱۷۴۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص ۱۰۲۔ ۱۰۱۔

۱۷۵۔ حوالے کے لئے مشائخ چشت ص ۱۳۰ تا ۱۳۴۔

اصطلاحات تصوف

(۳)

تصوف کی دنیا پاکیزگیوں اور طہارتوں کی دنیا ہے جس کے ڈھنگ نرالے ہیں، اس دنیا میں انسانی رویے ارفعیت کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ نفرت، کدورت، منافقت اور خود غرضی کو اس دنیا میں دخل نہیں ہوتا۔ صوفیانہ مسلک کو اگر صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو یہ راہ راست پر چلنے کا ایک رویہ ہے۔ اس دنیا میں کیف و مستی، جذب و شوق، انہماک اور محویت کا چلن عام ہوتا ہے۔ اس دنیا میں افعال کو راستی اور گفتار کو سچائی اور صداقت کا درس ملتا ہے۔ اس لئے تصوف کی راہ پر چلنے والوں میں بڑے بڑے درویش راستباز، مخلص، غیرت مند، صابر، قناعت پسند، متوکل، سادہ دل عارف انسان دکھائی دیتے ہیں۔ تصوف کی دنیا میں الفاظ کی معنویت بھی بدل جاتی ہے۔ لفظ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ ان کا زنگ اور آلودگی دور ہو جاتی ہے۔ فقر گدائی نہیں رہتی۔ توکل کاہلی اور سستی کا نام نہیں ہوتا قناعت بے عملی نہیں رہتی۔ فنا یا گوشہ نشینی ترک دنیا نہیں۔ معرفت و آگہی محض مادیت سے کنارہ کشی نہیں۔ صبر و تحمل---- بے غیرتی یا عزت نفس کے منافی برداشت کا نام نہیں ----عشق سے مراد بوالہوسی نہیں، بلکہ یہ سب لفظ، یہ سب جذبے ایک مثبت مفہوم پا لیتے ہیں، ان میں نئے معانی کی دنیا آباد ہو جاتی ہے۔

ہم یہاں تصوف کی چند اصطلاحات کا مفہوم درج کرتے ہیں کیونکہ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے مفاہیم نے اعمال کا درجہ پایا اور صوفیانہ مسلک کو مقبول بنانے میں حصہ لیا۔ اگر یہ سارے رویے آج بھی ہمارے معاشرے میں راہ پا جائیں تو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ہیئت بدل جائے۔

توکل

تصوف میں توکل نام ہے مقصد کے حصول کی کوشش ناتمام کا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ نتیجہ خدا کے ہاتھ میں دے دینا۔ یہ کوئی سلبی کیفیت نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کو توکل کا نام دے دیا جائے بلکہ یہ ایک حرکی جذبہ ہے جس میں خدا پر یقین کا عمل شامل ہے، قرآن مجید میں آتا ہے۔

وتوکل علی اللہ وکفی باللہ وکیلا O

اور بھروسہ کر اللہ پر، اور اللہ بس ہے کام بنانے والا

ترجمہ: جس نے خدا پر توکل کیا اس کا کام آسانی سے ہوجائے گا(۱)

اسی طرح دوسری جگہ آیا ہے۔

وعلی اللہ فتو کلو ان کنتم مومنینO

ترجمہ: پس توکل کرو اللہ پر اگر تم ایمان والے ہو(۲)

اس میں شک نہیں کہ سعی کرنا انسانی قدرت کے احاطے میں شامل ہے لیکن اس سعی کا نتیجہ پانا اس کے اختیار سے ہٹ کر اللہ کے اختیار میں شامل ہوجاتا ہے۔ اب اگر انسان اپنی مساعی کے بعد نتائج کے اخذ میں اللہ پر بھروسہ کرے تو اس کا اضطراب ایک سکون میں تبدیل ہو جائے گا اور اگر نتیجہ برعکس بھی نکلے تو اس پر راضی برضا ہو جائے، سید خورشید احمد گیلانی کے مطابق "تمام ذرائع و وسائل کو استعمال میں لا کر، امور معاشرت میں پوری دلچسپی لے کر، کامل تندھی اور مکمل عرق ریزی سے کام کر کے نتائج کو اللہ کے سپرد کر دینے کا نام توکل ہے۔"(۳)

ابو عبداللہ قریشی فرماتے ہیں۔

"توکل یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا اوروں کے پاس پناہ لینا چھوڑ دے"۔(۴)

اصطلاحات تصوف میں توکل کی دو اقسام بتائی گئی ہیں۔

"ایک یہ کہ اسباب ظاہری کی طرف بالکل متوجہ نہ ہونا بلکہ اسباب ظاہری کو بالکل منقطع کر دینا اور ہر امر میں صرف ذات کی طرف متوجہ رہنا یہ توکل خواص

اولیاء کرام کا ہے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ ظاہری اسباب کو استعمال تو کیا جائے لیکن بھروسہ ذات حق تعالیٰ ہی پر ہو۔" (۵)

جب انسان اپنی مساعی کے بعد خدا پر توکل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ مرضی کے مطابق نکلتا ہے تو وہ حالت شکر میں داخل ہوجاتا ہے لیکن اگر نتیجہ مرضی کے برعکس ہو تو حالت صبر اس پر طاری ہوجاتی ہے ان دونوں حالتوں کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ متوکل انسان ہر حال میں عجز اور انکساری کا حامل ہوتا ہے یہ عجز خدا کے لئے ہوتا ہے اور وہ خود سپردگی کی حالت میں نتیجہ خدا کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ شیخ ابو علی دقاق کے مطابق

"پہلا مرتبہ توکل، دوسرا تعلیم اور تیسرا تفویض، اللہ کے وعدہ پر اطمینان کہ وہ ضرور حاجت پوری فرمائے گا، یہ توکل ہے، یہ عقیدہ کہ اللہ کو میری حالت کا بخوبی علم ہے، اسے تسلیم کہا گیا، خدا کے ہر حکم پر رضامندی، خواہ موافق ہو یا مخالفت یہ درجہ تفویض ہے"۔ (۶)

حضرت امام غزالی نے توکل کے تین درجات بتائے ہیں۔

۱۔ متوکل حال اس شخص کی مانند ہو جس نے مقدمے میں کسی زیرک ذہین، فصیح، بے باک اور مخلص وکیل کو مقرر کرلیا ہو اور اس پر کامل اعتماد کرتا ہو۔

۲۔ متوکل کی حالت اس بچے کی سی ہے جو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور کو جانتا ہی نہیں۔

۳۔ متوکل اس مردے کی طرح ہو جو غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے (۷)

ظاہر ہے یہ تینوں درجے سعی اور نتیجے کی حالت کو ظاہر کرتے ہیں، حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے توکل کی تین اقسام بتائی ہیں۔

۱۔ یہ کہ انسان جس کام میں بھی مشغول ہو اس کا حاصل من جانب اللہ جانے اور اس کام پر بھروسہ کرے۔

۲۔ دل کو تمام ظاہری اور باطنی تعلقات سے منقطع کر کے حق تعالیٰ کی

طرف متوجہ اور مشغول کیا جائے حتیٰ کہ وہ اسکے ساتھ مل کر مقامِ وصال کی لذتوں سے محظوظ ہو۔

۳۔ انسان اپنی ہستی موہوم کو اس طرح محو کردے کہ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی چیز باقی نہ رہے۔ ہر جگہ اور ہر حالت میں صرف وہی رہے۔ توکل کی یہ قسم حقیقت سے تعلق رکھتی ہے(۸)

تصوف میں توکل کا مفہوم قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔ صوفیا نے توکل کو جن معنوں میں لیا ان کے مطابق تو یہ کل اسباب کے پردے میں مسبب الاسباب کی طرف مراجعت کرنے کی حالت کا نام ٹھہرا اللہ پر بھروسہ کئے بغیر دنیا و آخرت کی کامیابی مشکوک ہوتی ہے۔ شیخ عبداللہ انصاری کے مطابق

"توکل یقین کا پل، ایمان کا ستون اور اخلاص کی منزل ہے۔"(۹)

محمد اصطفیٰ علی علوی نے کہا

"توکل کے معنی بھروسہ کرنے کے ہیں اور اسلام میں وہ بھروسہ جو اللہ تعالیٰ پر کیا جائے توکل ہے۔"(۱۰)

حضرت شیخ سلطان باھو نے ان مخلوقات کو ترک کرنے کو توکل قرار دیا جو خالق کی راھزن ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا۔

"اگر تو سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی طرف لوٹا، اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کردیا، تو اس وقت اللہ تیرے اور اپنے فضل کے درمیان حجابات اٹھا لے گا۔ تیرے حسب حال نعمت میں زیادتی فرمائے گا اور اپنی عنایت سے اس طرح ہر مشکل آسان کردے گا جیسے ایک مہربان اور دوست طبیب مریض کے لئے تدابیر کرتا ہے۔"(۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ توکل اسلام پر ایمان رکھنے والوں کی تعلیمات کا ایک ضروری عنصر رہا ہے۔ انبیاء علیہ السلام کی اپنی زندگی میں توکل کی خوبی بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہے اور تمام انبیاء نے اپنی اُمتوں کو بھی توکل کی تعلیم دی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام سب نے نہ صرف اپنی زندگی میں توکل کی صفات پیدا کیں بلکہ زبان و گفتار سے اپنی قوموں کو بھی یہی تلقین کی۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں توکل کو جو اہمیت حاصل رہی ہے وہ کسی بھی مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ آپ نے ہر ہر مقام پر اللہ پر توکل کیا اور مسلمانوں کو بھی توکل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ تصوف پر کاربند صوفیاء نے بھی توکل کو اپنی سیرت کا جزو لاینفک بنایا۔ انہوں نے ہمیشہ خدا پر بھروسہ کیا۔ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کیا اور کسی احتیاج کی خاطر شاہی ایوانوں تک نہیں گئے۔ آج کے مسلمانوں میں توکل کی شدید کمی ہے۔ ہماری حرص و ہوس، احتیاج، بے اعتمادی اتنی بڑھ چکی ہے کہ ہم دوسروں کے حق کو مار کر بھی اپنے پیٹ کی خاطر جمع جتھا کرتے ہیں اگر ہم صوفیاء کی تعلیمات میں سے توکل کی خوبی اپنے اندر پیدا کرلیں تو بہت سے عوارض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

فقر

تصوف کے مسلک میں نہ تو فقر، تنگ دستی، غربت مفلسی یا گدائی ہے اور نہ نفس کو تکلیف میں ڈالنا یا ترک دنیا کرنا ہے، بلکہ فقر سے مراد درویشی، قلندری، مادی منفعت سے بے نیازی، مظلوم کی حمایت اور ظالم کے سامنے ٹوٹ جانا ہے۔ فقر اللہ کی رضا کے سامنے نفع یا نقصان سے غنی ہوجاتا ہے۔ فقر جدوجہد کا نام ہے جو اللہ کی رضا کے لئے کی جاتی ہے اور اس میں کسی صلے یا انعام کی توقع نہیں کی جاتی کہا جاتا ہے کہ حضور نے فرمایا

"الفقر فخری"

"مجھے اپنی فقیری پہ ناز ہے"

فقیری کی یہ شان صوفی کا اوڑھنا بچھونا ہے وہ بھی حضور کی تقلید میں یہی ورد کرتا ہے اور دنیا کے آسائش و آرام کو اپنے اپنے لئے وقف نہیں کرتا دوسروں کا حق سمجھتا ہے۔ اس کا وجود دوسروں کی خیر کا باعث بن جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج

بخش کا قول ہے کہ "فقیر وہ ہے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور نہ کسی چیز سے اس کا نقصان ہو نہ تو اسباب دنیاوی کے موجود ہونے سے وہ غنی ہوتا ہے اور نہ ہونے سے اس کا محتاج رہتا ہے۔ اسباب کا ہونا نہ ہونا اس کے فقرے کے نزدیک برابر ہے۔" (۱۲)

امام ابو بکر اسحاق کلابازی حضرت نوری کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"فقیر کی صفت یہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے سکون حاصل ہو اور جب کچھ مل جائے تو خرچ کردے اور ایثار کرے"۔ (۱۳)

حضرت شبلی سے کسی نے فقر کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا:

"فقر یہ ہے کہ حق کے سوا اور کسی چیز کی پروا نہ کی جائے"۔ (۱۴)

شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی نے فقر کی تین اقسام بتائی ہیں۔

"(۱) فقر اضطرار (۲) فقر اختیار (۳) فقر تحقیق" (۴)

جبکہ سید خورشید گیلانی نے فقر کی پہلی دو صورتوں کا حوالہ اپنی کتاب "روح تصوف" میں دیا ہے۔ دونوں کے نزدیک فقر اختیاری سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی اور منشاء سے آسائش و آرام کے لوازمات کو ترک کر کے درویشانہ زندگی اپنائے۔ اس فقر کی بدولت انسان کو بلند درجات حاصل ہوتے ہیں اور قرب الٰہی میسر ہوتا ہے۔ جبکہ فقر اضطراری میں خدا کا عذاب ہے۔ خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی نے فقر کی تیسری قسم یعنی فقر تحقیق کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ اس کی نعمتیں بے حد و حساب ہیں اور معصومیت بندے کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی وہ اللہ کی بے حساب نعمتوں کا شکر اس طور سے ادا کر سکتا ہے جو اس کی ذات کے شایان شان ہو۔

صوفیائے کرام کی تعلیمات میں فقر کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ درویشی اور قلندری کی زندگی انبیاء کا بھی وطیرہ رہا ہے اسی طرح تمام اکابر صوفیا کی زندگی میں ہمیں فقر کی شان دکھائی دیتی ہے۔ فقر میں انسان صبر اور شکر کا بندہ بن جاتا ہے

کچھ مل جائے تو خدا کا شکر ادا کیا نہ ملا تو صبر کر لیا مل کر چھن گیا تو شکوہ نہ کیا۔ فقیر کا دل دنیاوی احتیاجات سے بے نیاز ہوتا ہے۔۔۔ شیخ ابو بکر کتانی کے الفاظ میں

"جب انسان حقیقی طور پر اللہ ہی کا محتاج ہو جائے تو پھر وہ حقیقی طور پر "غنی باللہ" ہو جاتا ہے"۔(۱۶)

فقیر جب دنیا کے لذائذ سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو وہ اپنی نہیں دوسروں کی فلاح کا خیال رکھتا ہے امام ابو بکر اسحاق کلابازی لکھتے ہیں۔

"میں نے فارس کو کہتے سنا! میں نے ایک بار ایک فقیر سے کہا اور مجھے اس میں بھوک اور تنگی کے آثار دکھائی دیئے تو لوگوں سے سوال کیوں نہیں کرتا تا کہ وہ تجھے کھانا دے دیں اس نے جواب دیا، مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر میں ان سے سوال کروں اور وہ نہ دیں تو فلاح نہ پائیں گے کیونکہ مجھے نبی ﷺ کی فرمائی ہوئی بات پہنچی ہے کہ اگر سائل سچا ہے تو نہ دینے والا فلاح نہ پائے گا"۔(۱۷)

ایک فقیر منش انسان دنیا جہاں کی آسائشوں کو تج کر اس دنیا میں بھی سکھ پاتا ہے اور اس کی آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ شیخ ابو بکر وراق فرماتے ہیں۔

"دنیا اور آخرت دونوں جہان میں فقیر کے لئے خوشخبری ہے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا، اس لئے کہ دنیا میں بادشاہ اس سے خراج نہیں لیتا آخرت میں خدا حساب نہیں مانگے گا۔"(۱۸)

فقر میں چونکہ مادیت کا کم سے کم دخل ہوتا ہے اس لئے صوفی مسلک کے تحت اس کے اور اللہ کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جاتا ہے۔ فقر کی اس صفت نے صوفیاء کو روحانیت کی معراج تک پہنچایا۔ اقبال نے اپنے کلام میں خودی کے حامل انسانوں کے لئے فقر پر بہت زور دیا ہے، اقبال کے نزدیک فقر مادی خواہشات یا احتیاجات سے بے تعلقی کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی کی مکمل سہولتوں کے باوجود عدل و انصاف کا حامی ہونا، ظالم کے مقابلے میں مظلوم کا ساتھ دینا اور ناحق کے مقابلے میں پوری طرح ڈٹ جانا بھی فقر میں شامل ہے۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

اس لئے اگر آج ہم صوفیوں کی اس صفت کو اپنی زندگی اوڑھنا بچھونا بنالیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس دنیا میں بھی سربلند ہوجائیں اور دوسری دنیا میں بھی سرخرو ہوں۔ فقر صفت انبیاء ہے، فقر صفت صوفیا ہے اور فقر اللہ کو پسند ہے کہ انسان بہر حال ایک عاجز بندہ ہے۔

فنا

فنا سے مراد اپنے وجود مستعار کو ختم کر کے وجود سرمدی میں ضم ہوجانا ہے، قطرے کا اپنی ذات سے دریا کے وجود میں مراجعت کرنا ہے۔

(ع) دل ہر قطرہ ہے سازِ اناالبحر (غالب)

اپنے جزوی وجود کو وجود خداوندی میں شامل کر کے اپنے وجود سے بے نیاز ہوجانا فنا ہے۔ صوفی جب اپنی ذات کو محض اضافی جان کر وجود باری تعالیٰ کو مقدم خیال کرتا ہے تو وہ فنا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے فنا کے تین درجے متعین کئے ہیں۔

"(۱)۔ پہلی قسم کی فنا یہ ہے کہ تم اپنی صفات، اخلاق اور مزاج کی قید سے آزاد ہوجاؤ۔

(۲)۔ دوسری قسم کی فنا یہ ہے کہ تم اپنے حظ نفس سے بالکل دستبردار ہوجاؤ۔

(۳)۔ تیسری قسم کی فنا یہ ہے کہ تجلیات ربانی کا تم پر اتنا غلبہ ہوجائے کہ تمہارے اس وجود موجود کی حقیقت تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہوجائے۔" (۱۹)

فنا کی پہلی قسم وہ ہے جہاں انسان کو اپنے نفس امارہ اور اخلاق رزیلہ پر قابو پانا ہوتا ہے۔ لذائذ اور دنیاوی خواہشات کو ترک کرنا ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو مقصد کی راہ میں رکاوٹ بنے ترک کرنی ضروری ہے۔ فنا کی دوسری حالت یعنی وجود کی خواہشوں سے دستبردار ہونا دراصل پہلی حالت کی توسیع ہے یعنی دنیا کی دلچسپیوں

سے کنارہ کش ہو کر خود کو خدا کی ذات میں اس طرح گم کر دینا کہ کوئی دوسرا بیچ میں نہ رہے۔ فنا کی یہ حالت ذہنی اور داخلی ہوتی ہے۔ فنا کی تیسری اور آخری حالت یہ ہے کہ انسان اپنے ادراک و شعور کو بھی فراموش کر دے اور ذات الٰہی کو خود پر اس طرح طاری کرے کہ اپنے آپ کو بھول جائے یہ انہماک اور محویت کی منزل ہے۔ یہاں سے فنافی اللہ کی منزل شروع ہوتی ہے جہاں صوفی ابدی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ یہ درجہ فنا سے بقا کی طرف مراجعت کا ہوتا ہے۔ اصطلاحات صوفیہ کے مطابق:

"سالک کا اپنی ہستی اور وجود اضافی کو فنا کر کے وجود حقیقی ذات حق سبحانہ کے ساتھ بقاء حاصل کرنا۔ بقاء باللہ ہو جانا ہے یعنی نور بصیرت سے اپنے وجود اضافی کو عدم محض جاننا فنا ہے اور صرف ذات حق سبحانہ (جو وجود حقیقی ہے) کو موجود جاننا بقاء ہے"۔ (۲۰)

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے فرمایا:

"فنا کے مختلف مراتب ہیں چنانچہ رسول خدا کی فنا دوسرے تمام پیغمبروں کی فنا پر فوقیت رکھتی ہے۔ اسی طرح اولیائے کرام کے مراتب فنا بھی آپس میں متفاوت ہیں۔" (۲۱)

"عبادت کا مقصد فنا اور فناء الفنا اور بقا باللہ ہے۔" (۲۲)

حضرت شیخ سلطان باھو کے مطابق:

"راہ سلوک کی ابتداء فنائے نفس ہے اور انتہا فنا فے اللہ۔" (۲۳)

خواجہ شاہ محمد عبدالصمد نے فنا کے تین درجے بتائے ہیں۔

۱۔ سالک کا مرشد کی پیروی میں منہمک ہونا اور اپنی ہستی و خودی کو مرشد کی ہستی میں فنا کر دینا یہ پہلا درجہ ہے۔

۲۔ سالک کا وجود باوجود نبی کریم علیہ السلام میں موہونا اس کا زینہ فنا فی الشیخ ہے، یہ دوسرا درجہ ہے۔

۳۔ سالک کا جملہ مراتب صفات و مدراج عروج و نزول طے کر کے ذات

میں سبحانہ میں محو ہوجاتا۔ اس کا زینہ فنافی الرسول ہے، یہ تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔"(۲۴)

شیخ شہاب الدین سہروردی کے نزدیک فنا کا مفہوم یہ ہے کہ

"ہر چیز کا حظ اور لطف جاتا رہے اور خدا کی ذات میں فنا ہو کر ہر چیز سے قطع تعلق کر لیا جائے۔"(۲۵)

آگے چل کر انہوں نے فنا کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ظاہر فنا یعنی حق تعالیٰ کی تجلیات اس طرح سامنے آئیں کہ انسان کا اپنا ارادہ اور اختیار ختم ہوجائے اور وہ حق کے سوا کسی دوسرے کے فعل کو نہ دیکھ سکے۔ دوسری قسم باطنی فنا کی ہے یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب صوفی ذات الٰہی کی عظمت کا مشاہدہ اس طرح کرے کہ اس کا دل وسوسوں سے پاک ہو تو وہ باطنی فنا کے درجے تک پہنچتا ہے۔

لیکن ان تمام مباحث کے باوجود فنا کا مفہوم متعین کرنا آسان نہیں، اس لئے کہ بعض صوفیا کے نزدیک (۲۶) فنا کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے وجود کو خدا کے وجود میں منتقل کردے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی رضا کو خدا کی رضا میں شامل کر دے۔ انسان اپنی انسانی صفات سے گزر کر خدائی صفات میں داخل ہوجائے، تو اسے فنا کہیں گے، لیکن یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیئے کہ خدا کی صفات خود خدا نہیں بلکہ خدا کو اس کی صفات کا ہم معنی قرار دینا جائز نہیں ہے (۲۳) صوفی عبادت و ریاضت کی تمام منازل طے کرنے کے بعد اپنی انفرادیت بالکل کھودیتا ہے، فنا ہو جاتا ہے لیکن یہاں بھی وہ خدا سے الگ ایک وجود رکھتا ہے خالق اور مخلوق کے درمیان پردہ پھر بھی حائل رہتا ہے۔ اقبال بھی اسی ارتقائے انسانی کے قائل ہیں۔ اُنکے نزدیک انسان اپنے وجود کو فنا نہیں کرتا اور نہ اُسے کرنا چاہیئے بلکہ خدائی صفات حاصل کر کے اور اس مقام پر پہنچ کر بھی کہ جہاں

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین، کار کشا، کارساز

وہ اپنا ایک الگ وجود رکھتا ہے بالکل اُسی طرح جیسے لوہا آگ بن کر بھی لوہا رہتا ہے۔ چنانچہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ:

اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیزِ وجودِ من
بہ ایں قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانے را

نظریۂ فنا، نظریۂ توحید اور نظریۂ وحدت الوجود کے مسائل کو بھی سامنے لاتا ہے، لیکن ہم اس بحث کی نزاکت سے ہٹ کر صرف حضرت جنید بغدادی کے اس خیال کا اعادہ کرتے ہیں۔

"کہ انسان اپنے ارادے سے جو کہ اس دنیوی انفرادیت کا ایک خاصہ سمجھی جاتی ہے، دستبردار ہوجائے، کاملتاً اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے اور خدا تعالیٰ کے اندر اپنے ابدی وجود کی طرف واپس لوٹ جائے۔ اس طرح وہ خدا کے ساتھ اس حد تک متحد ہو گا جس حد تک متحد ہونے کی خود خالق نے اپنی مخلوق کو اجازت دی ہے۔" (۲۸)

صبر

صبر سے مراد کسی چیز سے اپنے آپ کو روکنا ہے یعنی ارادے کی ایسی پختگی جس سے انسان خود کو نفسانی خواہشات اور زندگی کی مشکلات سے روکتے ہوئے اپنے ضمیر کے بنائے ہوئے صحیح راستے پر چلتا ہے اور اگر اس راستے میں کوئی دکھ یا پریشانی سامنے آتی ہے تو وہ ہمت نہیں ہارتا بلکہ بڑی مستقل مزاجی سے بغیر کوئی شکوہ کئے حق کے راستے پر ڈٹا رہتا ہے کوئی دنیاوی لالچ اس کے ارادے کو متزلزل نہیں کرسکتا۔ قرآن حکیم میں بار بار صبر کی تلقین کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مصائب سے بچنے کے لئے جو طریقہ بتایا ہے وہ "صبر" ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

و بشرّ الصبرین لا الذین اذآ صابتہم مصیبۃ (۲۹)

اور خوشی سنا ثابت رہنے والوں کو، کہ جب ان کو پہنچے کچھ مصیبت

قالو ا انا لله وانا الیہ راجعون ۔ط(۳۰)
کہیں ہم اللہ کا مال ہیں، اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ہے۔
اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا ہے۔
والصبرین فی الباسا آؤ والضّر آء و حین الباس ۔ط
اور ٹھیرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے
اولئک الذّین صد قوا ط واولئک هم المتقون (۳۱)
وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے۔

صبر انسانی زندگی کے لئے اعلیٰ وصف کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خود سرور کائنات ﷺ کی ساری زندگی صبر و استقامت کا مرقع تھی، صحابہ کرام نے بھی صبر و تحمل کے اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ

"افضل عیش (بہترین زندگی) ہم نے صبر میں پائی۔" (۳۲)

صوفیاء کرام نے نہ صرف اپنی زندگی میں بلکہ اپنی تعلیمات میں بھی صبر کو اہمیت دی ہے،

سید خورشید احمد گیلانی کے مطابق

صوفیاء کرام کی زندگی میں جو توکل، استقلال، ایثار، جفا کشی، سادگی۔۔۔۔۔ کی کیفیات پائی جاتی ہیں، یہ صبر کی مختلف صورتیں ہیں، کیونکہ تمام امور بخوشی اللہ کے سپرد کردینا کمال درجے کا صبر ہی تو ہے۔" (۳۳)

تقریباً ہر صوفی نے اپنی تعلیمات میں صبر و تحمل کا ذکر کیا ہے اور اس پر زور دیا ہے، صوفیاء کے نزدیک صبر و تحمل کیا ہے؟ اس کا جائزہ لیتے ہوئے الحاج محمد اصطفیٰ علی علوی لکھتے ہیں۔

"ناکامی کے وقت کامیابی کے لئے جدوجہد کرنا، مصیبت کے وقت مصیبت کو برداشت کرلینا، اپنی جدوجہد میں مخالفین کی پرواہ نہ کرنا ان کی غلطیوں کو معاف کرنا صبر ہے"۔(۳۴)

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ھروی کے مطابق
"صبر کے تین ارکان ہیں۔

۱۔ مصیبت پر صبر کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصبروا

۲۔ مصیبت سے صبر کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وصابروا

۳۔ اطاعت پر صبر کرنا جس کے بارے میں فرمایا: ورابطوا" (۳۵)

ان کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ انصاری نے بتایا کہ تکلیف پر صبر محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اس میں دل کی یکسوئی، علم کی باریک بینی اور نورِ فراست شامل ہے اور جب دل میں گناہ کا خوف ہو تو ایسے میں جو صبر ہوتا ہے، اس میں دل کی گہرائی، پاکیزگی اور دعا کی قبولیت شامل ہے، اطاعت پر صبر امید کے ساتھ کرتے ہیں، اس میں آفات کا ٹل جانا، روزی کا غیر متوقع طور پر پہنچنا اور نیکیوں کی طرف میلان شامل ہے۔۔۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے مریدوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"صبر و رضا، موافقت اور تقدیر خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم ہونے کی عادت اختیار کر! اگر تجھے یہ چیزیں نصیب نہ ہوسکیں تو پھر بارگاہ خداوندی میں عاجزی وزاری، گناہوں کے اعتراف اور نفس کی برائی کی جزاء کے لئے اپنے آپ کو تیار کر! اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کی تقدیس اور توحید کا اقرار، شرک سے اجتناب، صبر و رضا اور طلب موافقت کو ضروری جان! یہاں تک کہ نوشتۂ تقدیر پر مکمل ہوجائے، مصیبت ٹل جائے اور نعمت و فرحت، مسرت اور خوشی کا دور دورہ ہوجائے۔" (۳۶)

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے صبر کو سخاوت پر فوقیت دیتے ہوئے کہا:

"صبر کا مرتبہ سخاوت سے اونچا ہے، بھوک کا مرتبہ پیٹ بھر کر کھانے سے بلند ہے، جس مرتبے تک صابر پہنچے ہیں۔ اھل سخاوت کو وہاں کی خبر بھی

نہیں اور جس مقام پر فاقہ کش پہنچتے ہیں، امراء کو وہاں کی بو بھی نہیں پہنچتی"۔(۳۷)

امام ابو اسحاق کلاباذی سہل کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"اللہ کے طرف سے کشائش کا منتظر رہنا صبر کہلاتا ہے، پھر فرمایا، یہی افضل ترین اور بلند ترین خدمت گزاری ہے۔"(۳۸)

مختصر یہ کہ صبر جملہ اخلاقی اوصاف میں سے ایک نہایت اعلیٰ درجے کی صفت ہے۔ انسانی زندگی میں صبر نہ ہو تو زندگی گزارنا دوبھر ہوجائے۔ عزم و استقلال، پامردی و استقامت کے سارے جذبات ماند پڑجائیں، یہ ایسی درویشانہ صفت ہے جس کے طفیل بقول میرولی الدین

"مصائب کی برداشت سہل ہوجاتی ہے غم کے بادل چھٹ جاتے ہیں، فکر کا بوجھ ھلکا ہوجاتا ہے"۔(۳۹)

علامہ اقبال نے مثنوی اسرار خودی میں خودی کی تربیت کے سلسلے میں صبر کی صفت کو بڑی اہمیت دی ہے اور اونٹ کی مثال سے اسے واضح کیا ہے۔ اونٹ اپنے سوار سے زیادہ صابر ہوتا ہے اور کچھ کھائے پیئے بغیر اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔

معرفت

معرفت تصوف میں ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان دنیاوی بندھنوں سے آزاد ذاتی نقائص سے پاک اور نفس کی کمزوریوں کو دور کر کے اللہ تعالیٰ سے لو لگا لے اور اپنے اعمال میں مخلص ہو کر ذات خداوندی کی عظمت اور اس کے حق و جلال کا مشاہدہ کرے۔ ہر وقت اپنے دل کو خدا کے حضور میں جھکائے رکھے جب کوئی صوفی مسلسل اپنے باطن کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم کرتے ہوئے ان اسرار کا علم حاصل کرلیتا ہے، جن کی وجہ سے دنیا میں اس کے احکام جاری ہوتے ہیں، تو وہ معرفت کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔

معرفت کا مقصد تو حق کی پہچان حاصل کرنا ہے لیکن اس کو حاصل کرنے

والے مختلف ذہن اور مختلف درجۂ ہوتے ہیں اور خدا تک ان کی پہنچ اپنے اپنے ذہن اور طریق کار کے مطابق ہوتی ہے۔ ایک عام شخص کی معرفت ایک ولی کی معرفت سے مختلف ہو گی۔ ولی کا درجہ عام "عارف" شخص سے مختلف ہوگا کیونکہ اس کے نظریات اس کا علم اور اس کا ذہن عام شخص سے مختلف ہوتا ہے پھر انسان کا ذہن محدود ہوتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی نوعیت غیر محدود ہے، سہل فرماتے ہیں:

"پاک ہے وہ خدا جس کی معرفت حاصل کرنے میں بندوں نے یہی پایا کہ وہ اس کی معرفت حاصل کرنے سے عاجز ہیں"۔ (۴۰)

اس لئے انسان اپنے وجود کو مکمل طور پر اس ذات میں مدغم نہیں کر سکتا، شیخ سلطان باہو کے مطابق:

"معرفت میں تین باتیں ہیں، اول مصیبت کے وقت صبر دوم عطا کے وقت شکر سوم قضا پر راضی رہنا جو شخص معرفت کا دعویٰ کرے اور یہ باتیں اس میں نہ پائی جائیں تو سمجھ لو کہ یہ سچا نہیں"۔ (۴۱)

معرفت دو طرح کی ہوتی ہے، معرفت حق اور معرفت حقیقت۔ معرفت حق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کا اظہار کیا ہے ان کی بدولت حق تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنا اور معرفت حقیقت سے مراد یہ ہے کہ انسان یہ اقرار کر لے کہ حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

حضرت جنید نے معرفت الٰہی کی دو قسمیں بتائی ہیں "معرفت اولیٰ" اور معرفت آخریٰ "جن میں سے پہلی قسم مدلل معرفت کی ہے اور دوسری وجدانی معرفت کی (۴۲)

حضرت داتا گنج بخش نے بھی اپنی کتاب کشف المحجوب میں معرفت الٰہی پر کافی بحث کی ہے، انہوں نے معرفت کے متعلق لوگوں کے خیالات پر بحث کرتے ہوئے معتزلہ کی اس بات کو رد کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور سوائے عقل مند لوگوں کے کسی کو معرفت الٰہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ ان

کے خیال میں۔

"معرفت الہی کی عنایت و مشیت الہی کے سوا اور کوئی چیز نہیں، اس کی عنایت کے بغیر عقل نابینا ہے۔ اس لئے کہ عقل اپنی نسبت خود جاہل ہے اور کسی عقل مند نے آج تک اس کی حقیقت کو نہیں پہچانا ہے اور جب وہ اپنی نسبت جاھل ہے تو وہ اپنے غیر کو کس طرح پہچانے گی اور اللہ بزرگ و بلند کی عنایت ورھنمائی کے بغیر محض دلیل سے استدلال کرنا اور اس میں غور کرنا بھی خطا ہے کیونکہ سب اہل ہوا اور ملحدوں کے گروہ استدلال ہی کیا کرتے ہیں لیکن اکثر ان میں سے عارف نہیں"۔ (۴۳)

اسی بات کو ابو بکر سباک اس طرح فرماتے ہیں۔

"جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا میں کون ہوں؟ عقل خاموش رہی اس پر اللہ نے اسے وحدانیت کا سرمہ لگا دیا۔ تب جا کر عقل نے آنکھیں کھولیں اور کہا، تو وہ خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں عقل میں اس قدر طاقت نہ تھی کہ اللہ کی مدد کے بغیر اسے پہچان سکے۔" (۴۴)

علامہ اقبال نے بھی عقل کی دو قسمیں کی ہیں ایک عقل برھانی جو استدلال کے سہارے آگے بڑھتی ہے لیکن اس کی تقدیر میں حضوری نہیں ہوتی، دوسری عقل نورانی یا عقل یزدانی ہے جو عشق کے مترادف بن جاتی ہے اور اس میں برق تجلی شامل ہوتی ہے۔

ہے برق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی کے نزدیک:

"معرفت سے مراد پہچان ہے اس کے تین باب ہیں اور تینوں درجے تین ترتیبوں کے ساتھ:

باب اول: ۔ وجود باری تعالیٰ، اس کی یکتائی اور اس کے بے مثل ہونے کا عرفان۔

باب دوم :۔ اس کی قدرت، دانائی اور مہربانی کی شناخت۔

باب سوم :۔ اس کے احسان، دوست داری اور قرب کی پہچان "۔ (۴۵)

غرض ڈاکٹر علی حسن عبد القادر کے الفاظ میں

" معرفت الٰہیٰ اپنے بلند ترین مدارج میں نیکو کاری، ہر لحہ خوف خداوندی اور مخلوقات کے اندر جلوۂ خداوندی کے مشاھدے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس حالت میں انسان اخلاق کا ایک نہایت ارفع معیار قائم کرتا ہے اور جس چیز سے بھی خدا نے منع کیا ہے اس سے کاملاً مجتنب ہوجاتا ہے۔" (۴۶)

ضبط نفس

لغوی اعتبار سے نفس کے معنی کسی چیز کا وجود اور اس کی حقیقت ہے یہ وہ صلاحیت ہے جس کی بدولت انسانی شخصیت کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کا شعور اور احساس ہو سکے۔ اس کے علاوہ یہ لفظ عقل، قلب، عظمت وسعت، کشادگی، ہمت، غیرت، ارادہ اور عقوبت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے معنی شئی نفس یعنی وہ عمدہ شے جس کی طرف انسان لپک کر جائے۔ سورہ المائدہ میں آیا ہے۔

تعلم ما فی نفس و لاعلم مافی نفسک

ترجمہ: (اے میرے رب) جو کچھ میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے لیکن جو کچھ تیرے ہاں ہے میں اسے نہیں جانتا۔ (۴۷)

عام حالات میں نفس سے مراد کبھی روح اور کبھی جسم بھی لیا گیا ہے لیکن صوفیہ کرام کے یہاں اس کا مفہوم بالکل مختلف ہے، وہ نفس کو برائی اور شر کا سرچشمہ کہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں تمام برائیوں کی جڑ نفس ہے، قرآن حکیم میں بھی آیا ہے کہ

ان نفس لا مارہ بالسوء

ترجمہ: یقیناً نفس برائی کا حکم دیتا رہتا ہے۔(۴۸)
حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا:

النفس صفة لا تسكين الا بالباطل

(یعنی ایک ایسی صفت ہے جو صرف باطن سے ہی تسکین پاتی ہے یعنی وہ کبھی حق کے راستہ پر نہیں چلتا)(۴۹)

غلام احمد پرویز نے "لغات لقرآن" میں قرآن کے حوالے سے نفس کی قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ نفس امارہ: "کسی مستقل قدر کو پس پشت ڈال کر، پست مفاد کی طرف جاتا ہے تو اسے عام طور پر نفس امارہ کہا جاتا ہے"۔(۵۰)

۲۔ نفس لوامہ: "بعض اوقات نفس انسان کی یہ کیفیت بھی ہوتی ہے کہ جب اس سے کوئی برائی سرزد ہوجائے تو اس کے بعد اس میں احساس ندامت بیدار ہوجاتا ہے اسے نفس لوامہ کہتے ہیں"(۵۱)

۳۔ نفس مطمئینہ: "ذات کی کشمکش ختم ہوجاتی ہے۔ ذات، پست جاذبتیوں پر غالب آجاتی ہے۔ اسے قرآن کریم نے نفس مطمئینہ سے تعبیر کیا ہے"۔(۵۲)

خواجہ شاہ عبدالصمد نے ان تین اقسام کے علاوہ ایک چوتھی قسم "نفس ملہمہ" یا "نفس قدسیہ" بھی بتائی ہے جو ان کے بیان کے مطابق صرف انبیاء علیہم الصلوات اور اکمل اولیاء کو حاصل ہوتا ہے(۵۳)

اب ضبط نفس سے مراد اپنے وجود کی خواہشات پر قابو پانا، اپنے اندر سے اخلاق رذیلہ، حرص و طمع، غرور و تکبر اور کینہ و کدورت کو نکالنا ہے۔ صوفیاء ہمیشہ نفس کے خلاف جہاد کرتے رہے حضور نے فرمایا۔۔۔ "مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کے لئے اپنے نفس سے جہاد کیا۔"(۵۴)

حضرت شیخ سلطان باھو ضبط نفس کی تلقین یوں کرتے ہیں۔

"نفس پرست تو سارے ہوا کرتے ہیں لیکن خدا پرست بہت کم ہوتے

ہیں شہوت، غصہ، طمع، حرص ہوا اور زینت کو روند ڈالا تا کہ تو یکبارگی مرد بن جائے۔" (۵۵)

حضرت داتا گنج بخش کے نزدیک نفس پر ریاضت اور مجاھدے کے ذریعے قابو پایا جاسکتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"ریاضت و مجاھدہ سے ان برے اوصاف کو اپنے سے دفع کیا جاتا ہے، گناہ اوصاف ظاہری میں سے ہیں اور برے اخلاق اوصاف باطنیہ میں سے اور ریاضت افعال ظاہرہ میں سے ہے اور توبہ اوصاف باطن میں سے۔ پس جو ردّی اوصاف باطن میں پیدا ہوتے ہیں وہ ظاہر کے اچھے اوصاف سے پاک ہوجاتے ہیں۔ اور جو بد افعال ظاہر میں پیدا ہوتے ہیں وہ باطن کے پسندیدہ اوصاف سے دور ہوجاتے ہیں" (۵۶)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے مریدوں کو درس دیتے ہوئے ضبط نفس کی یوں تلقین کی ہے:

"تکمل بھلائی اسی میں ہے کہ تمام حالات میں نفس سے دشمنی رکھی جائے اگر تو پرھیز گار ہے تو نفس کا اس طرح مخالف ہوجا کہ لوگوں کے حرام اور مشتبہ مال، احسان، بھروسے، اعتماد ان سے خوف، امید اور مزید متاع دنیا میں سے جو کچھ ان کے پاس ہے اس سے پوری طرح بے نیاز ہوجا۔" (۵۷)

علامہ اقبال نے تکمیل انسانیت کے لئے جو تین درجے متعین کئے ان میں سے دوسرا ضبط نفس ہے، اسرار خودی میں فرماتے ہیں۔

نفس تو مثل شتر خود پرور است
خود پرست و خود سوار و خود سراست
مرد شو آورر نام او بکف
تاشوری گوہر اگر باشی خذف

مضبوط نفس صوفیانہ مسلک میں اہم ہی نہیں ناگزیر عنصر کی حیثیت رکھتا

ہے۔ ضبطِ نفس کے بغیر کوئی صوفی صحیح معنوں میں صوفی نہیں بن سکتا۔ آج جو ہم انسانی درجے سے نیچے گر چکے ہیں تو اس کی ایک وجہ نفس کی غلامی بھی ہے۔ اپنے نفس پر قابو پائے بغیر کوئی بھی انسان انسانیت کے اوجِ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ ضبطِ نفس سے یہ مراد نہیں کہ جائز خواہشات یا امنگوں کا بھی گلا گھونٹ دیا جائے بلکہ جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے اخلاقِ رذیلہ اور وجود کی بری اور ناجائز خواہشات کو قابو میں رکھنا ہے۔

ان اہم اصطلاحات کے علاوہ بیسیوں متصوفانہ اصطلاحات مروج ہیں جن کے مخصوص معنی متعین ہیں سلوک کی راہ پر چلنے والے کے لئے کئی ایک لفظ مقرر ہیں۔ خود سالک سلوک کی راہ پر چلنے والے کو کہتے ہیں جو شرعی حدود میں رہ کر قربِ الٰہی کے لئے سعی اور ریاضت و عبادت کرتا ہے۔ تلاشِ حق کی سعی میں معروف انسان کو سالک کہتے ہیں پھر عاشق کی اصطلاح اُس متقی اور مومن انسان کے لئے متعین ہے جو قربِ خداوندی کی جملہ منازل طے کر کے محبوبِ حقیقی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ عارف خدا شناسی کا مسلک ہے جس میں صوفی وجدان اور کشف کی منزلوں سے گزر کر معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔ اس طرح شیخ اُس مقامِ بلند کا حامل ہے جہاں وہ سلوک کی تمام منزلیں طے کر کے ولایت کا درجہ پاتا، سنتِ رسول کو زندہ رکھتا اور بدعتوں کو ختم کرتا ہے۔

تصوف کی دنیا میں کئی عالم ہیں۔ عالمِ ناسُوت سلوک کی ابتدائی منزل ہے جسے عالمِ اجسام و محسوسات سے واسطہ ہوتا ہے۔ عالمِ ملکوت سلوک کے سفر کا دوسرا حصہ ہے جہاں سالک اخلاص کے مرتبے پر پہنچتا ہے۔ یہ عالم فرشتوں اور روحوں کا ہے عالمِ جبروت سلوک کی راہ میں تیسرا مرحلہ ہے جہاں سالک کی آزمائش ہوتی ہے۔ اگر اس مقام پر سالک ڈگمگا جائے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے نصیب ٹھہرتا ہے اور اگر کامیابی سے گزر جائے تو اگلی اور آخری منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ یہ اعلیٰ ترین مقام عالمِ لاہوت کہلاتا ہے۔ یہ مقام لامحدود بھی ہے اور لاانتہا

بھی۔ اس منزل پر پہنچ کر سالک تجلی ذات سے بانصیب اور شاد کام ہوتا ہے۔

محاسبہ، مجاہدہ اور مراقبہ بھی تصوف کی دنیا میں مخصوص معانی کی حامل اصطلاحات ہیں۔ محاسبہ اپنے اعمال کی طرف ہر لمحہ متوجہ رہنا ہے مجاہدہ نفس کی ادنیٰ خواہشات پر قابو پانا اور اوصاف حمیدہ کے حصول کے لئے ہمہ تن کوشش کرنے کا عمل ہے۔ اسی طرح مراقبہ فیض خداوندی کے انتظار کی کیفیت کو کہتے ہیں پھر تصوف کی کچھ منزلوں کے مختلف نام ہیں۔ پہلی منزل تزکیہ کی ہے۔ یعنی تزکیۂ نفس پھر تصفیہ یعنی صفائیِ باطن پھر تیسری منزل تجلیہ یعنی روح کو منزہ و پاک کرنا اور چوتھی منزل تخلیہ کی ہے جس سے مراد دل کو یادِ الٰہی سے بسانا اور ماسویٰ کو دل سے نکالنا "خلوتِ در انجمن" کی اصطلاح "دست بہ کار دل بہ یار" والی کیفیت کی وضاحت کرتی ہے۔

اسی طرح ولایت کے مدارج کے لئے بھی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ خود ولایت کا درجہ بندے اور خدا کی نسبتی قربت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد غوث کا درجہ آتا ہے۔ غوث مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ قلب ولایت کا وہ مقام ہے جس پر فائز صوفی کسی مخصوص خطے اور علاقے کا انتظام سنبھالتا ہے اس کا تصرف زمان و مکان اور عالمِ سفلی و عالمِ علوی دونوں پر ہوتا ہے۔ کائنات کی سات ولایتوں کے سات قطب ہوتے ہیں۔ پھر ایک قطب سب سے بڑا ہوتا ہے جسے قلب الاقطب کہتے ہیں۔

غرض یہ اور اس قسم کی اصطلاحات تصوف کی دنیا میں گہرے معانی اور مطالب کی حامل ہیں۔ ان لفظوں کے پیچھے صوفیا کی ریاضت، کردار کی پختگی اور اعمال کی نیکی، ایسے تجربات جھانکتے ہیں۔ صوفیا کے توکل، صبر، فقر، ضبط نفس اور مجاھدے کی سینکڑوں ہزاروں مثالیں تصوف پر لکھی گئی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان مثالوں میں مافوق الفطری رنگ بھی جھلکتا ہے۔ انتہا پسندی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ لیکن ان مثالوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان جب نیکی کی راہ اختیار

کرتا ہے تو پھر اپنے نفس پر کس طرح قابو پالیتا ہے۔ دکھ، مصائب، شدائد اور مشکلات اس کے ارادے کو متزلزل نہیں کرسکتیں۔ وہ پامردی، عزم و استقلال اور جرأت کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ ان مسافتوں کو طے کرنے کے بعد وہ ایسے مرتبے پر فائز ہوتا ہے جہاں اس کی آنکھ اللہ کی آنکھ اور اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔ یہ مرتبہ اور مقام ہر بوالہوس کو نصیب نہیں ہوتا بلکہ

یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر بو الھوس کے واسطے دارو رسن کہاں

خاکی انسان نے جو فرشتوں جیسی ملکوتی صفات حاصل کیں تو دراصل اپنے نیک اعمال، عبادت اور ریاضت کی بدولت حاصل کیں۔

(۱)۔ سورہ نساء، آیت نمبر ۸۱

(۲)۔ سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۲۳

(۳)۔ بحوالہ "روح تصوف" سید خورشید احمد گیلانی، ص ۱۵۸

(۴)۔ بحوالہ تعرف۔ امام ابوبکر اسحاق کلابازی، ص ۱۵۵

(۵)۔ بحوالہ "اصطلاحات صوفیہ" خواجہ شاہ محمد عبدالصمد، ص ۳۲، مطبوعہ مکہ بکس، ۵۔ بخشی سٹریٹ، لاہور

(۶)۔ بحوالہ۔ رسالہ قشیریہ "ابوالقاسم قشیری ترجمہ پیر محمد حسن، ص ۲۶۷، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

(۷)۔ بحوالہ "کیمیائے سعادت" امام غزالی ترجمہ مجید یزدانی، ص ۱۰۷۶، مطبوعہ ناشران قرآن، لاہور

(۸)۔ مرآت العاشقین مرتبہ سید محمد سعید (مترجم صاحبزادہ غلام نظام الدین، ایم اے مردلوی)، اسلاک بک فاؤنڈیشن، ص ۱۲۵ - ۱۲۶ سال اشاعت ۱۹۷۷ء

(۹)۔ صد میدان، شیخ عبداللہ انصاری، ص ۵۵، اسلاک بک فاؤنڈیشن، سال اشاعت ۱۹۷۷ء

(۱۰)۔ بحوالہ "الحقائق "محمد اصطفی علی علوی، ایجوکیشنل پریس، کراچی، فروری ۱۹۶۳ء، ص ۵۹

(۱۱)۔بحوالہ "فتوح الغیب "مترجم سید محمد فاروق قادری، المعارف گنج بخش روڈ،لاہور ، ص ۴۴
(۱۲)۔بحوالہ " بیان المطلوب " (ترجمہ اردو کشف المحجوب) ص ۴۱
(۱۳)۔بحوالہ "تعرف "ص ۱۴۶
(۱۴)۔بحوالہ "عوارف المعارف " عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی (مترجم حافظ سید ارشد احمد ارشد) مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت دوم، ۱۹۷۷ء
(۱۵)۔صد میدان، ص ۲۶
(۱۶)۔بحوالہ "تعرف "ص ۱۴۶
(۱۷)۔بحوالہ "تعرف "ص ۱۴۸
(۱۸)۔بحوالہ رسالہ قشیریہ، ابوالقاسم قشیری ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۴۲۶
(۱۹)۔بحوالہ جنید بغداد، ص ۱۸۵-۱۸۴
(۲۰)۔ "اصطلاحات صوفیہ "مرتبہ خواجہ شاہ محمد عبدالصمد، ص ۱۰۷
(۲۱)۔ "مرآت العاشقین "اردو ترجمہ غلام نظام الدین، ص ۱۶۵
(۲۲)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ص ۱۶۵
(۲۳)۔ "سوانح حیات۔۔۔ حضرت شیخ سلطان باھو "مرتب حافظ حمید اختر، ص ۹۳
(۲۴)۔ "اصطلاحات صوفیہ "ص ۱۰۷
(۲۵)۔ "عوارف المعارف " ترجمہ حافظ سید رشید احمد ارشاد، ص ۵۱۹
(۲۶)۔اس ضمن میں حضرت جنید بغدادی کا نام لیا جاسکتا ہے۔
(۲۷)۔مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے "جنید بغداد "از ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر، ص ۱۸۹تا ۱۹۴
(۲۸)۔بحوالہ "جنید بغداد "ص ۱۹۴
(۲۹)۔بحوالہ "جنید بغداد "ص ۱۹۴
(۳۰)۔بحوالہ سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۵۵-۱۵۶
(۳۱)۔بحوالہ سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۷۷
(۳۲)۔بحوالہ "قرآن اور تصوف "ص ۴۳
(۳۳)۔بحوالہ "روح تصوف "ص ۱۹۲
(۳۴)۔بحوالہ "الحقائق "ص ۶۰، ایجوکیشنل پریس، کراچی
(۳۵)۔بحوالہ "صد (۱۰۰) میدان "ص ۲۹

(۳۶)۔ بحوالہ "فتوح الغیب" ص ۱۲۴-۱۲۳

(۳۷)۔ بحوالہ "مرآت العاشقین" (اردو ترجمہ) ص ۱۲۹

(۳۸)۔ بحوالہ "تعرف" ص ۱۴۳

(۳۹)۔ بحوالہ "قرآن اور تصوف" ص ۴۰

(۴۰)۔ بحوالہ "تعرف" ص ۹۹

(۴۱)۔ بحوالہ "سوانح حیات ۔۔ حضرت شیخ سلطان باھو" مرتبہ حافظ محمد حمید اختر، ص ۹۴

(۴۲)۔ بحوالہ "جنید بغداد" ص ۲۲۰

(۴۳)۔ بیان المطلوب (ترجمہ اردو کشف المحجوب) مترجم مولوی فیروزالدین، ص ۳۹۹

(۴۴)۔ بحوالہ "تعرف" ص ۹۶

(۴۵)۔ بحوالہ "صد (۱۰۰) میدان" ص ۱۵۷

(۴۶)۔ بحوالہ "جنید بغداد" ص ۲۱۷

(۴۷)۔ بحوالہ "قرآن مجید" آیت نمبر ۱۱۲/۵

(۴۸)۔ بحوالہ قرآن مجید، آیت نمبر ۵۳/۱۲

(۴۹)۔ بحوالہ "بیان المطلوب (اردو ترجمہ کشف المحجوب)" ص ۳۰۵

(۵۰)۔ بحوالہ "لغات القرآن" از غلام احمد پرویز، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ص ۱۶۴۸ء

(۵۱)------- ایضاً -----، ص ۱۶۴۸

(۵۲)------- ایضاً -----، ص ۱۶۴۹

(۵۳)۔ "اصطلاحات صوفیہ" ص ۱۵۵

(۵۴)۔ بیان المطلوب (اردو ترجمہ کشف المحجوب) ص ۳۰۶

(۵۵)۔ "سوانح حیات ۔۔۔ حضرت شیخ سلطان باھو" ص ۹

(۵۶)۔ بحوالہ "بیان المطلوب" (اردو ترجمہ کشف المحجوب) ص ۲۹۹

(۵۷)۔ بحوالہ "فتوح الغیب" ص ۳۳

زبان کیا ہے	خلیل صدیقی
آواز شناسی	خلیل صدیقی
اردو افسانہ (تحقیق و تنقید)	ڈاکٹر انوار احمد
مقالات سر سید	ڈاکٹر عبدالروف سیر
بیسویں صدی کا شعری ادب	ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ
بیسویں صدی کا نثری ادب	ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ
صحافت	ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ
خصوصی مطالعہ غالب	ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ
معاشیات اسلام کے چند بنیادی اصول	توصیف ایزد
تعلیمی نفسیات	ملک محمد آصف
زہد مفہوم اور تقاضے	سعید الرحمٰن
ایمان کی چھاؤں میں	سعید الرحمٰن
نثر معلیٰ	بی اے اردو الیکٹو
منتخب شعری ادب	بی اے اردو الیکٹو
منتخب شعر و ادب	بی اے اردو آپشنل
تعبیر ادب شرح نثر معلیٰ	ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ
مخزن شاعری شرح منتخب شعری ادب	ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ
مرقع ادب شرح منتخب شعر و ادب	ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ
تحسین ادب (بی اے اردو پرچہ ب)	ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ